فروری ۲۰۱۴ء

ماہنامہ

اشرفیہ

مبارکپور

مبارک حسین مصباحی

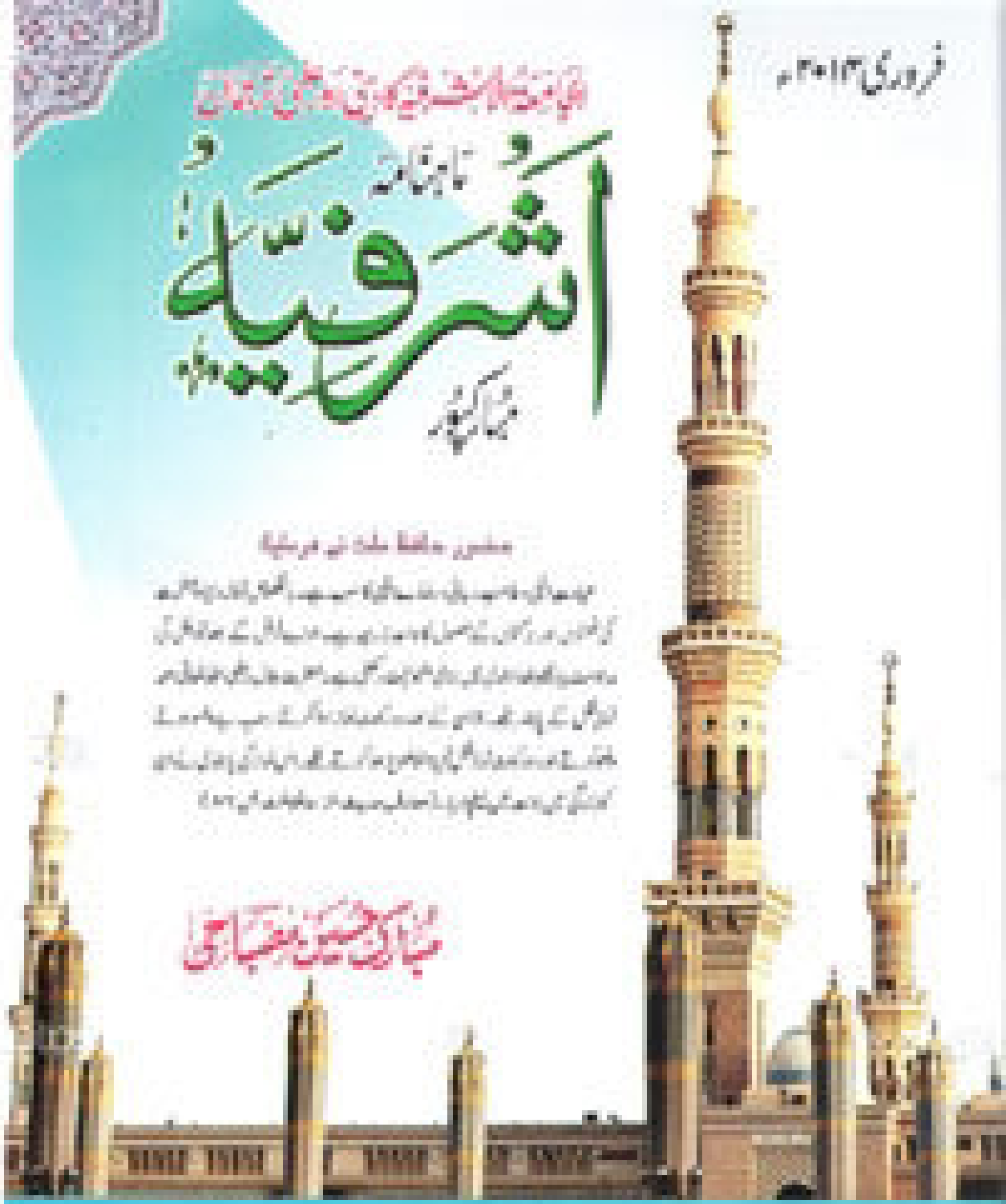

مشمولات

اداریہ	آہ! پیر زادہ اقبال احمد فاروقی	مبارک حسین مصباحی	۳
	تحقیقات		
علمی تحقیق	روشنی کا سفیر ابو الحسن علی ابن الہیثم	انس مسرور ترابی	۸
	فقہیات		
آپ کے مسائل	تاریخ ولادت اور جلوس محمدی ﷺ	مفتی محمد نظام الدین رضوی	۱۰
	نظریات		
فکر امروز	اور اب علماے اہل سنت کی ذمہ داریاں	محمد حیدر رضا مصباحی	۱۳
	اسلامیات		
شعاعیں	اسلام - امن کا علم بردار	مفتی خلیل احمد	۲۰
	اعتقادیات		
افکار	ڈاکٹر اقبال کا پیغام ابن سعود مہدی کے نام	مولانا سیف الدین اصدق	۲۳
	شخصیات		
نقش حیات	مولانا خیر الدین دہلوی	محمد رضا الحسن قادری	۲۹
	رضویات		
درس گاہِ رضا	قرآن مقدس کی جمع و تدوین	مولانا اختر حسین فیضی	۳۴
	بزم دانش		
فکر و نظر	مکتوبات نبوی کی عصری معنویت	فہیم احمد ثقلینی / مہتاب پیامی	۳۹
	ادبیات		
گوشۂ ادب	عصر حاضر کی شاہ کار تفسیر: تفسیر اشرفی	پروفیسر محمد عبد الحمید اکبر	۴۳
نقد و نظر	فقہ حنفی میں حالات زمانہ کی رعایت / مناقب حافظ ملت	مبصر: محمد عابد چشتی / توفیق احسن مصباحی	۵۰
خیابانِ حرم	نعتیں	انس مسرور ترابی / حسیب کچھوچھوی / ضیا یزدانی	۵۳
	مکتوبات		
صداے بازگشت	مولانا مقصود عالم فرحت ضیائی		۵۳
	سرگرمیاں		
خیر و خبر	عرس قاسمی برکاتی ۲۰۱۳ء / فقہی بورڈ آف نارتھ امریکہ کا پہلا اجلاس		۵۳

آہ! پیر زادہ اقبال احمد فاروقی

مبارک حسین مصباحی

حضرت علامہ پیر زادہ اقبال احمد فاروقی ۱۵/ محرم الحرام ۱۴۳۵ھ/۱۹/ دسمبر ۲۰۱۳ء کو اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ ہم لوگ مجلسِ شرعی جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے اکیسویں فقہی سیمینار کے لیے بے ورلی ہلس ہوٹل پونے، مہاراشٹر میں مصروف تھے کہ حضرت علیہ الرحمۃ کے وصال پر ملال کا میسیج آیا۔ کچھ دیر کے بعد یہ الم ناک خبر ہم نے مفتیانِ کرام کی محفل میں سنائی، سب نے اظہارِ افسوس کرتے ہوئے کلماتِ استرجاع دُہرائے۔ قل شریف پڑھا گیا اور صدر العلما علامہ محمد احمد مصباحی صاحب نے حضرت کے لیے دعاے مغفرت فرمائی۔ مولا تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ اپنے پیارے حبیب ﷺ کے طفیل حضرت پیر زادہ علیہ الرحمہ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور پس ماندگان اور وابستگان کو صبر وشکر کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

موصوف بڑی خوبیوں کے جامع اور زبان وقلم کی عظمتوں کے حامل تھے، فکر وفن، زبان وادب اور تاریخ وسیر پر گہری نظر رکھتے تھے، ان کے اوصاف وکمالات کا نمایاں پہلو یہی تھا کہ جو ان سے قریب ہوا وہ کبھی دور نہیں ہو سکا۔ وہ اپنی معلومات افزا تحریروں سے ہند وپاک میں یکساں مقبول تھے، مرکزی مجلسِ رضا لاہور اور ماہ نامہ جہانِ رضا لاہور سے آپ نے فکرِ رضا کے اجالوں کو دنیا کے دور دراز علاقوں تک پہنچایا، ان کی محفلیں ہوں یا تحریریں، افکارِ رضا کا رنگ آہی جاتا تھا، راقم سطور مبارک حسین مصباحی سے برسوں سے رابطہ تھا، مختلف اوقات میں کثیر خطوط بھی آئے ہوں گے جن میں سے بعض کی اشاعت ماہ نامہ اشرفیہ میں ہوئی، اسی کے ساتھ حضرت اپنے اشاعتی ادارہ مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ لاہور کی مطبوعات بھی روانہ فرماتے۔ ہم انڈیا سے المجمع المصباحی مبارک پور کی مطبوعات بھیجتے، کتابوں کا صرف تبادلہ ہی نہیں ہوتا بلکہ ان پر اظہارِ خیالات بھی فرماتے، گراں قدر آرا اور تاثرات سے نوازتے، ہم نے ان کے فکر وفن کی بلندی اور دور اندیشی سے بہت استفادہ کیا، خاص بات یہ تھی کہ حضرت تحریر ونگارش میں بہت تیز تھے، جب بھی کوئی ضرورت ہوتی یا کوئی چیز پسند آتی فوراً اظہارِ خیالات فرماتے اور بات صرف اظہارِ خیالات تک ہی نہیں رہتی بلکہ اپنی گراں قدر آرا سے بھی نوازتے۔

پیر زادہ اقبال احمد فاروقی علیہ الرحمۃ ۴/ جنوری ۱۹۲۸ء میں پنجاب کے شہر گجرات سے چودہ میل دور شہابدیوال (شہاب الدین والا) گاؤں میں ہوئی۔ خاندان علمی اور روحانی اعتبار سے مالا مال تھا۔ درس وتدریس اور دعوت وتبلیغ خاندانی معمولات تھے، فاروقی صاحب نے گاؤں کے قریب اسکولوں میں پرائمری اور مڈل کی تعلیم مکمل کی، قرآن عظیم والد گرامی حضرت مولانا انور پیر فاروقی سے پڑھا اور تلفظ کی صحت اور قراءت اپنے تایا جان مولانا نور پیر فاروقی سے درست کی۔

۱۹۳۳ء میں والد گرامی نے آپ کا داخلہ پیر طریقت حضرت مولانا نبی بخش حلوائی علیہ الرحمہ کی درس گاہ لاہور میں کرایا، اس مدرسے میں آپ نے صَرف ونحو اور منطق کی تعلیم لی، اس وقت آپ کے رفقاے درس میں حافظ محمد عالم، صاحب زادہ پیر محمد اسلم علی پوری، مولانا غلام حسین گوجروی، مولانا مفتی عبداللہ اور مولانا باغ علی نسیم وغیرہ تھے۔ مذکورہ افراد اپنے اپنے میدانوں میں یکتاے روزگار ہوئے۔ اسی دوران مولانا اقبال احمد فاروقی نے ریاست بہاول پور کے مدرسہ "تعلیم الاسلام" میں فارسی ادب کا وسیع مطالعہ کیا۔ اسی درمیان آپ نے دار العلوم حزب الاحناف لاہور سے درس نظامی کی تکمیل کی اور بہاول پور ۱۹۴۴ء میں جامعہ عباسیہ سے "علامہ" کی ڈگری حاصل کی۔ پنجاب یونیورسٹی سے منشی فاضل، مولوی فاضل کیا۔ پنجاب یونیورسٹی اورینٹل کالج سے ہی ایم اے فارسی کیا۔ گورنمنٹ لا کالج سے ایل ایل بی کیا، آپ نے وکالت کا پیشہ اختیار کرنے کے بجاے علمی مجالس سے استفادہ کیا اور مختلف سرکاری عہدوں سے گزرتے ہوئے ۱۹۸۸ء میں ڈپٹی ڈائریکٹر کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔

۱۹۹۱ء میں آپ نے مرکزی مجلسِ رضا لاہور سے ماہ نامہ جہانِ رضا لاہور کا اجرا کیا۔ مدیر اعلیٰ کی حیثیت سے آپ نے گراں قدر خدمات انجام دیں۔

"فکر فاروقی" کے عنوان سے آپ کے اداریوں کا مجموعہ شائع ہو چکا ہے۔ ہند و پاک اور دیگر اہم مقامات پر آپ نے اہلِ علم و دانش کا ایک حلقہ بنایا، مختلف موضوعات پر آپ نے ساٹھ سے زائد کتابیں لکھیں، ان میں بعض اہم تراجم، بعض تالیفات اور بعض تصانیف ہیں جب کہ درجنوں مضامین و تاثرات مزید برآں ہیں۔ تحریر و صحافت کا منفرد انداز تھا۔

راقم سطور سے برسوں سے رابطہ تھا، آپ کے چند اہم خطوط اس وقت بھی ہمارے سامنے ہیں، اب ہم ذیل میں ان خطوط کو نقل کرتے ہیں۔

پیر زادہ اقبال احمد فاروقی علیہ الرحمہ کا یہ مکتوب فقیہ اعظم ہند مفتی محمد شریف الحق امجدی صدر شعبۂ افتا جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے وصال پر ملال پر موصول ہوا۔ حضرت کی علمی اور فقہی شخصیت پر ان کی حیات میں ضخیم "معارفِ شارحِ بخاری" شائع ہوا، پھر ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور اور ماہنامہ کنزالایمان دہلی سے خصوصی شمارے شائع ہوئے۔

❊ حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی صاحب چیف ایڈیٹر ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور السلام علیکم

آپ کی نظرِ التفات سے ماہنامہ اشرفیہ ہر ماہ باقاعدگی سے مل رہا ہے۔ حضرت شارح بخاری کی رحلت پر برصغیر کے سارے علمائے اہلِ سنت نے اظہارِ غم کیا، پاکستان کے گوشے گوشے میں بھی اس بطلِ عظیم کی موت پر بڑے دکھ کا اظہار کیا گیا ہے، یہاں کے تمام سنی رسائل اور اخبارات نے آپ کی خدماتِ علمیہ کو ہدیۂ تبریک پیش کیا ہے اور کم و بیش ہر رسالے نے اس علمی شخصیت پر شذرہ لکھا۔ مرکزی مجلسِ رضا کے تمام اراکین نے دار العلوم نعمانیہ میں ایک تعزیتی اجلاس منعقد کیا جس میں دار العلوم کے اراکین، اساتذہ اور طلبہ کے علاوہ دوسرے حضرات نے بھی شرکت کی اور دعائے مغفرت کی۔

آپ کے دار العلوم سے ایسی بلند پایہ علمی شخصیت خاموشی سے موت کی وادی میں چلی گئی، یقیناً اس سے دار العلوم کو بے پناہ صدمہ اور ناقابلِ تلافی نقصان کا سامنا کرنا پڑا ہے، ایسے اساتذہ، ایسے اہلِ علم اور ایسے قابل لوگ روز روز میسر نہیں آتے، ہم لوگ دور بیٹھے شریکِ جنازہ اور شریکِ اجلاس تعزیت تو نہیں ہو سکے مگر یہاں کا ہر دل دار العلوم اور آپ کے صدمہ میں شریکِ غم رہا ہے اور آپ کے ملال میں شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم و مغفور کو اپنی رحمت میں جگہ دے اور ان کی دینی خدمات کو قبول فرمائے۔ ہم لوگ ان کی زندگی کے علمی پہلوؤں سے اتنے متعارف نہیں ہیں جس قدر آپ لوگ ہیں، اگر وہاں حضرت مرحوم کی زندگی پر اشرفیہ کا کوئی خصوصی نمبر چھپے تو پاکستان پہنچانے کی کوشش فرمائیں۔

والسلام (پیر زادہ) اقبال احمد فاروقی۔ مدیر اعلیٰ جہانِ رضا لاہور

❊ مکرمی قبلہ مبارک حسین صاحب مصباحی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ نے جہانِ رضا کے حکیم محمد موسیٰ امرتسری کے خصوصی نمبر کے لیے اپنا گراں قدر مضمون بھیجا ہے۔ جس کے لیے میں ذاتی طور پر سراپا سپاس ہوں، مضمون کمپوزنگ کے مراحل سے گزر چکا ہے۔ ہمارے احباب نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہر مضمون کے آخر میں صرف دس سطروں میں مضمون نگار کا تعارف (مختصر حالاتِ زندگی) بھی شامل کیا جائے اور حکیم صاحب سے آپ کی علمی مساعی وابستگی کا اظہار کیا جائے۔ اگرچہ ہمارے ذہن میں آپ کے علمی مناصب، مرکزی مجلس رضا سے اور حکیم صاحب سے آپ کے تعلقات کا ایک خاکہ موجود ہے، مگر ہم چاہتے ہیں کہ اگر اصحابِ علم و فضل حضرات یا دوسرے اسکالرز کو آپ کی تحریر سے استفادہ کا موقع ملا تو ان کے سامنے آپ کے مختصر حالات بھی رہیں اور آپ کا موجودہ پتہ بھی سامنے رہے۔ براہِ کرم صرف چند سطریں لکھ کر عنایت فرمائیں۔

اب تو خصوصی نمبر کی کاپیاں ترتیب دینا اور انھیں تیار کرنا ہے۔ (پیر زادہ: اقبال احمد فاروقی (ایم اے) لاہور

ماہر رضویات حضرت حکیم محمد موسیٰ امرتسری علیہ الرحمہ کی شخصیت و خدمات پر ہمارا مضمون پہلے اشرفیہ کے اداریے میں شائع ہوا، پھر پیر زادہ اقبال احمد فاروقی صاحب کو بھیجا اور اب "شہر خموشاں کے چراغ" میں شائع ہو گیا ہے۔

❊ محترمی و مکرمی عالی قدر جناب مبارک حسین مصباحی صاحب ایم اے دامت برکاتہم العالیہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

دربارِ مصطفیٰ ﷺ اپنے جمالِ باکمال کے ساتھ جلوہ فرما ہے۔ لاکھوں اہلِ محبت موجود ہیں، حدِ نگاہ تک عاشقانِ رسول دکھائی دیتے ہیں۔ ان میں عبادت گزار بھی ہیں اور دردِ محبت سے سرشار بھی ہیں۔ ان کے لبوں پر آہ و فغاں بھی ہے اور سینوں میں ضبط و جذب بھی۔ لب پر درود و سلام بھی ہے اور دل میں تڑپتے ہوئے جذبات بھی ہیں۔ میرِ محفل ﷺ کی نگاہِ کرم ہر طور دل پر جلوہ ریزیاں کر رہی ہیں۔ جدھر دیکھو۔

لب واہیں! آنکھیں بند ہیں، پھیلی ہیں جھولیاں!

زائرانِ روضۂ رسول کے چمکتے ہوئے حسین چہرے مہکتے ہوئے پھول دکھائی دیتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن میں بادشاہ بھی ہیں اور فقیرانِ بے نوا بھی۔ مگر ہر ایک کو یقین ہے کہ نگاہِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا صرف اسی سے مخاطب ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی عظمت کو سورج سلام کرتا ہے، ان سے یزداں کلام کرتا ہے۔ ان کے لبوں پر درود و سلام آتا ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ ان کے چہروں سے پھول جھڑتے ہیں، زندگی کے اصول بنتے ہیں۔

اس محفل میں آپ کی یاد نسیمِ جاں بن کر آئی یوں دکھائی دیا کہ آپ میرے پہلو میں بیٹھے ہیں، شریکِ محفل ہیں اور آپ کا چہرہ نورِ مصطفیٰ کی ضیا پاشیوں سے جگمگا رہا ہے۔ بازو پھیلائے آپ کو گلے لگا کر "عید مبارک" کہنا چاہتا تھا مگر سرحدِ ادب پر رک گیا اور کنج لب سے دعا کے الفاظ تک محدود رہا۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیبِ پاک کے دامنِ رحمت میں آپ کو زندگی کی تمام تمناؤں اور آرزوؤں سے نوازے اور زندگی میں اس نورانی مجلس میں شرکت کا وافر موقع عطا فرمائے۔ آمین۔

می بینمت زدور و دعامی فرستمت والسلام مع الاکرام پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، نزیل مدینہ منورہ

یہ ہماری خوش بختی اور بلند نصیبی ہے کہ حضرت نے ہمیں بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ میں یاد فرمایا، بے پناہ دعاؤں سے سرفراز فرمایا، مولا تعالیٰ اپنے پیارے حبیب ﷺ کے طفیل ان کی دعائیں قبول فرمائے اور ہم سب کو بھی زیارتِ حرمین طیبین کی سعادتوں سے بار بار مالا مال فرمائے۔ آمین۔

❋ حضرت قبلہ محترمی علامہ مبارک حسین صاحب مصباحی زید مجدہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

امید ہے آپ خیریت سے ہوں گے۔ جون کے آغاز میں آپ کی خدمت میں ایک عریضہ لکھا تھا اور اس میں لکھا تھا کہ سیدین نمبر کے بل کی ادائیگی کا طریق کار کیا اختیار کیا جائے۔

آج آپ کی کتاب "افتراق بین المسلمین کے اسباب" مرکزی مجلس رضا لاہور کے زیرِ اہتمام چھپ کر آئی تو اس کی ۱۰ کاپیاں آپ کی خدمت میں روانہ کر رہا ہوں، آپ میری اس بات کو نظر انداز کرتے ہوئے یہ جان کر یقیناً مسرت محسوس کریں گے کہ پاکستان کے لوگوں نے اسے بے حد پسند کیا۔ ہم اسے مفت تقسیم کر رہے ہیں مگر جب پڑھنے والوں کے خطوط آتے ہیں تو قیمت ادا ہو جاتی ہے۔

آپ کا ایڈیشن خوب صورت ہے، عمدہ ہے، مجلد ہے۔ مگر اس کا بعینہ قارئین تک پہنچنا مشکل تھا، اب انھیں آسانی ہو گئی..... اگر حکیم محمد موسیٰ امرتسری زندہ ہوتے تو اس کتاب کی دس ہزار کاپیاں چھپوا کر تقسیم کرتے۔ اب پاکستان میں بدعقیدہ لوگوں کو پھلنے پھولنے کا موقع مل گیا ہے، ہمارے علمائے کرام اس موضوع پر لکھ رہے ہیں، وہ مناظرانہ بات لکھتے بھی ہیں تو اپنے حلقوں میں جاتی ہے ان حالات میں آپ کی کتاب اپنا مقام بنائے گی اور قدرت آپ کو بے پناہ ثواب سے نوازے گی۔

چند شمارے جہانِ رضا کے بھی ہیں قبول فرمائیں اور پارسل ملنے کی اطلاع ضرور دیں۔ لوگ "سیدین نمبر" مانگتے ہیں مگر ہمارے پاس ایک جلد بھی نہیں ہے، علامہ کوکب نورانی جب ہندوستان سے واپس آئے تو انھوں نے آپ کا سلام پہنچایا۔ والسلام۔ اقبال احمد فاروقی۔ لاہور

❋ حضرت قبلہ محترم المقام علامہ مصباحی صاحب زید مجدہ

السلام علیکم۔ کل علامہ کوکب نورانی صاحب تشریف لائے۔ ہندوستان کے دورے کی باتیں سنا رہے تھے، آپ کا ذکر خیر آیا تو تعریف فرمائی "افتراق بین المسلمین کے اسباب" دس کاپیاں لے گئے، آپ کو بھیجنے کا مشورہ دیا۔ اگرچہ دس جلدوں کا سیٹ آپ تک پہنچ چکا ہو گا، مگر خیال آیا آج آپ کا ذکر خیر آیا ہے کچھ جدید نسخے پیش کروں۔

مجھے افسوس ہے کہ آپ کے سیدین نمبر پر تبصرہ نہ لکھ سکا..... اپنا نسخہ جو آپ نے عطا فرمایا تھا ایک "زبردست عالم دین" لے گئے اور اب میں "سیدین نمبر" سے محروم ہوں..... آپ کی محنت کی قدر اہلِ علم نے کی اور اسے شوق سے خریدا۔ آپ نے مجھے دوبارہ چودہ جلدیں بھیجیں، مگر تشنگی ہنوز باقی ہے، مجھے یاد ہے کہ میں نے آپ کی خدمت میں گزارش کی تھی کہ آپ اگر مزید جلدیں ارسال کریں تو آپ کی خدمت میں پاکستانی مطبوعات پیش کروں گا تاکہ سابقہ حساب بھی بے باق ہو جائے۔

ماہ نامہ بھی آتا ہے، آپ کے قلم کی آواز سن پاتا ہوں تو دل خوش ہو جاتا ہے۔ مجھے کہنے کی اجازت دیں کہ "افتراق بین المسلمین کے اسباب" کو

پاکستان کے اہلِ علم نے بے حد پسند کیا ہے اور جسے بھی کتاب گئی اس نے تعریف کی۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم آپ کا یہ تحفہ مفت تقسیم کر رہے ہیں۔ جہانِ رضا کی دس کاپیاں بھی ارسال ہیں، مجھے آپ کے جواب کا بے حد انتظار ہے۔ والسلام۔ اقبال احمد فاروقی (مدیر اعلیٰ جہانِ رضا لاہور)

❊ حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی صاحب السلام علیکم۔

آج آپ کی طرف سے "سیدین نمبر" کی ۱۴/ جلدیں موصول ہوئی ہیں، شکریہ قبول فرمائیے۔

میں نے سابقہ خط میں گزارش کی تھی کہ براہِ کرم مجھے "سیدین نمبر" کے بل کی ادائیگی کیسے کرنی چاہیے، آپ کی طرف سے کوئی جواب نہیں ملا، میں نے گزارش کی تھی کہ آپ کو ان کتابوں کے بدلے میں پاکستانی مطبوعات بھیجتا جاؤں مگر مجھے اس کے متعلق بھی اطلاع نہیں ملی، ازراہِ کرم اس معاملہ میں میری راہ نمائی فرمائیں۔ آپ کی کتاب "افتراق بین المسلمین" نے پاکستان میں طوفان برپا کر دیا ہے۔ ایک ہزار تقسیم کر چکا ہوں مگر مشتاقان مطالعہ تاہنوز آرہے ہیں، اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔ چند نسخے مزید حاضر ہیں، پہلے دو پارسل گئے تھے مگر مجھے اطلاع نہیں ملی، آج آپ نے اشرفیہ کے چند رسالے بھیجے ہیں، آپ کے احباب میں تقسیم کر دیے ہیں۔ مجھے پارسل ملنے پر اطلاع دیں۔ اقبال احمد فاروقی۔ پاکستان

❊ حضرت محترم ومکرم مولانا مبارک حسین مصباحی صاحب السلام علیکم

اللہ تعالیٰ آپ کو خوش رکھے۔ ماہ نامہ اشرفیہ ہر ماہ تسلسل کے ساتھ آرہا ہے اور نہایت پسندیدگی سے پڑھا جارہا ہے۔ خصوصاً آپ کے تعلیمی اور تدریسی مقالات یہاں کے مدارس اور جامعات میں بڑے مقبول ہیں۔ دار العلوم اشرفیہ مبارک پور ہندوستان میں ایک قابلِ اعتماد دینی درس گاہ ہے جس میں ہزاروں طلبہ قابل اساتذہ کی نگرانی میں منازلِ علم طے کر رہے ہیں، ماہ نامہ اشرفیہ اس کا ترجمان ہونے کی وجہ سے تعلیمی اور تدریسی موضوعات پر نہایت عمدہ مضامین شائع کرتا ہے۔

آپ کی مشہور زمانہ کتاب "افتراق بین المسلمین کے اسباب" کے کئی ایڈیشن پاکستان میں شائع ہو کر اعزازی طور پر اہلِ علم میں تقسیم ہوئے ہیں۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے سالانہ عرس کے موقع پر آپ کے ایک عقیدت مند نے میری نگرانی میں تازہ ایڈیشن چھپوا کر مفت تقسیم کرنے کا اعلان کیا ہے۔ میں اس کے چند تحفے آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ اگر مجھے پاکستان کے محکمۂ ڈاک کے ظالمانہ محصول ڈاک کا خوف نہ ہوتا تو کم از کم ایک سو نسخے آپ کی خدمت میں پیش کرتا، تاہم ہماری کوشش اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں ہدیۂ عقیدت پیش کرنا ہے۔ آپ اور آپ کی محققانہ تحریر کو ہدیۂ تحسین پیش کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے علم وقلم میں برکتیں عطا فرمائے اور اشرفیہ کو زندہ وتابندہ رکھے۔

آپ جہاں افتراق بین المسلمین کے اسباب اپنے حلقۂ احباب میں ہدیہ تقسیم کریں گے وہاں تمام دار العلوم کو میرا نیاز مندانہ سلام پیش کریں گے۔ والسلام پیرزادہ اقبال احمد فاروقی، لاہور

سید العلما حضرت علامہ سید شاہ آل مصطفیٰ قادری برکاتی اور احسن العلما حضرت سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن میاں قادری برکاتی علیہ الرحمہ کی حیات اور دینی وملی خدمات پر سیدین نمبر ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور نے شائع کیا۔ ۱۳۳۲ صفحات کا یہ وقیع نمبر علمی اور سنی دنیا میں بے پناہ مقبول ہوا، یہ نمبر ہم نے پاکستان کے متعدّد مقامات پر بھیجا۔ فاروقی صاحب نے اپنے مکتوبات میں اس نمبر کا خوب ذکر کیا ہے۔ اس طرح ہماری متعدّد کتابیں بھی شائع ہوئیں، مگر ان میں "افتراق بین المسلمین کے اسباب" ہندوپاک میں بہت مقبول ہوئی۔ متعدّد زبانوں میں اس کے تراجم بھی شائع ہوئے، بنگلہ میں، گجراتی میں، اسی طرح عربی اور انگریزی ایڈیشن کی بھی خبریں ملی تھیں۔ پاکستان میں اس کے متعدّد ایڈیشن شائع ہو کر مفت تقسیم ہوئے۔ اللہ تعالیٰ اہلِ خیر حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

❊ حضرت مکرم علامہ مبارک حسین مصباحی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج مارچ کا ماہ نامہ اشرفیہ ملا، اس میں آپ کا اداریہ "مرا رفیق مرے غم کا ترجمان گیا" پڑھا۔ یہ اداریہ نہیں، آپ کے رفیق کار مولانا شکیل احمد مصباحی (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) کی رحلت کی خبر کے ساتھ ساتھ ان کی وفات پر نوحۂ غم ہے۔ ان کی رفاقت اور ان کی علمی خدمات پر بھرپور خراجِ عقیدت تھا۔ مجھے اس خبر نے غم زدہ کر دیا، مجھے آپ کے غم نے دل فگار بنا دیا، مجھے اس اندوہناک خبر نے صدمے سے دوچار کر دیا۔

ع: اک تیر میرے سینے میں مارا کہ ہائے ہائے!

میری محفل میں بیٹھے علمائے کرام نے جب یہ خبر پڑھی تو دلگیر ہوئے، دعائے مغفرت کے لیے آپ کے شریکِ غم ہوئے، پاکستان میں

اشرفیہ کے قارئین اظہار ملال کرتے ہیں اور فون پر آپ کو پیغام پہنچاتے رہے۔ ہم پاکستان میں ہزاروں نیاز مند حضرت مولانا شکیل احمد مصباحی کے لیے دعاے مغفرت کرتے ہیں۔ "اللّٰھم نور قبرہ"۔

یہ جواں سال صحافی یگانہ اہل سنت کی صحافی دنیا کا بلند پایہ اسکالر، نہ صرف جامعہ اشرفیہ اور ماہ نامہ اشرفیہ کو ناقابلِ تلافی نقصان دے کر دنیا سے رخصت ہوا بلکہ قارئینِ اشرفیہ کو اپنے علمی اور مسلکی فیضان سے محروم کر گیا۔ ان کی تحریریں ملتی تھیں۔ اشرفیہ کی اشاعت میں ان کا کردار ہمارے لیے نہایت اہمیت کا حامل تھا۔ میں ذاتی طور پر جب فون کرتا، ان کی آواز مجھے لبیک کہتی، آج میں نے تین بار فون کیا، گھنٹی بجتی رہی مگر صدائے برنخواست۔

ع: اہلِ دل کے قافلے کن وادیوں میں کھو گئے

اللہ تعالیٰ اس جواں سال عالمِ دین کی مغفرت فرمائے اور حضور نبیِ رحمت ﷺ کی چادرِ رحمت سر پہ سایہ فگن رہے۔ میری طرف سے جامعہ اشرفیہ کے اراکین، اساتذہ، طلبہ اور ان کے غم زدہ والدین، ان کے صدمے سے نڈھال خاندان کے افراد کو میرا اظہارِ غم پہنچائیں۔ آپ کے مارچ کے رسالہ میں اہلِ قلم نے ان کی رحلت پر جن الفاظ میں اظہارِ غم کیا ہے حرف حرف میرا غم ہے، پاکستان کے علماے اہلِ سنت کا غم ہے، مولانا ہارون مصباحی، مولانا محمد عبد المبین نعمانی، مولانا افضل مصباحی، مہتاب پیامی اور دوسرے احباب نے جن الفاظ میں اظہارِ غم کیا ہے، یوں محسوس ہوتا ہے کہ انھوں نے میرا غم سمیٹ کر اپنے الفاظ میں بیان کر دیا ہے۔

آپ ایک عزیز رفیق کار سے محروم ہو گئے، آپ کو اس صدمہ سے زیادہ دوچار ہونا پڑا اور آپ کی ذمہ داریاں بڑھ گئی ہیں۔ میں آپ کا شریکِ غم ہوں، اللہ تعالیٰ آپ کو ہمت دے اور آپ اشرفیہ کو اچھے انداز سے جاری رکھ کر مرحوم کی روح کو ہدیۂ تحسین پیش کرتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ نائب مدیر کی مغفرت فرمائے۔ (آمین) والسلام

شریکِ غم، پیر زادہ اقبال احمد فاروقی، (مدیر اعلیٰ جہانِ رضا لاہور) مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور۔

❁ حضرت مکرم و محترم علامہ مبارک حسین صاحب مصباحی زید مجدہ۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ

ڈاک کی گرانی اور تعطل کے باوجود آپ کا ماہ نامہ اشرفیہ اگست و اکتوبر مبارک پور سے لاہور آپہنچا، ستمبر کا شمارہ ڈاک والوں نے روک لیا، شاید اگلے ہفتے آجائے، میں آپ کی اس خصوصی عنایت کے لیے بے حد ممنون ہوں ورنہ ہندوستان سے آنے والے رسائل رک گئے ہیں۔

اکتوبر ۲۰۰۹ء کے شمارے میں آپ نے مہمان اداریہ شائع کیا ہے، حالاں کہ آپ کے مہمان عزیز (علامہ عبد المبین نعمانی) علماے اہلِ سنت کے ہر گھر کے مہمان ہیں اور معزز فرد بھی۔ انھوں نے "اکابر اہلِ سنت اور ہماری غفلت" لکھ کر ہند و پاک کے سنی علماے کرام کو از خواب گراں خیز کی آواز سے جگانے کی کوشش کی ہے۔ انھوں نے توجہ دلائی ہے کہ سنی اپنے اسلاف کے علمی خزانوں کو لٹتے نہ دیکھیں۔ غیر لوگ ڈاکو بن بن کر انھیں لوٹ رہے ہیں، مگر وہ ٹس سے مس نہیں ہوتے۔ انھوں نے بعض کتابوں کی نشان دہی بھی کی ہے جو ہماری غفلت کی چادروں میں لپٹی ہوئی ہیں۔ مجھے ان کی اس دردمندانہ تحریر نے کروٹ بدلنے پر مجبور کیا۔ کاش! ہم مل کر "کتابیں اپنے آبا کی" کو زیورِ طباعت سے مزین کریں۔

آپ کا اپنا اداریہ اگست ۲۰۰۹ء میں مفصل ہے۔ پاکستان میں علماے کرام نے دل چسپی سے پڑھا، مفتی سرفراز نعیمی شہید کی شہادت پر لکھا ہے۔ مجھے یوں محسوس ہوا جیسے آپ مبارک پور سے آکر دار العلوم جامعہ نعیمیہ لاہور میں آبیٹھے ہیں اور مولانا نعیمی کی شہادت کا ایک ایک لمحہ، دار العلوم کا ایک ایک فرد، ایک ایک غم گسار آپ کے پاس بیٹھا ہے اور آپ ہر ایک سے باتیں کر کے اداریہ لکھ رہے ہیں۔ آپ نے اس دردناک اداریہ میں مجھے بھی شریکِ غم کیا ہے اور میری آنکھوں سے بہنے والے آنسوؤں کو اپنے قلم کے دامن سے پونچھ سکے، پھر سارے ہندوستان کے اہلِ قلم کو اس سانحۂ فاجعہ سے آگاہ کیا ہے۔

اشرفیہ کے دوسرے مضامین بھی پسند آئے، آپ کے رفقاے علم و قلم نے بڑی تحقیق سے لکھے ہیں۔ "جہانِ رضا" کے کچھ شمارے حاضر کر رہا ہوں۔ خود ایک نظرِ التفات سے نوازیں، حضرت علامہ عبد المبین نعمانی کی نذر کریں، پھر اپنے احباب کو پہنچا دیں۔ اللہ تعالیٰ اشرفیہ کا دروازہ کھلا رکھے، المنۃ للہ کہ در مے کدہ باز است۔ والسلام۔ اقبال احمد فاروقی، لاہور۔

در اصل ہمیں حضرت علامہ اقبال احمد فاروقی علیہ الرحمہ پر بہت کچھ لکھنا تھا مگر کچھ طبیعت کی ناسازی اور کچھ صفحات کی تشنگی نے ہاتھ روک لیا، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ اپنے حبیب ﷺ کے طفیل انھیں جنت الفردوس میں کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور پس ماندگان کو صبر و شکر کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ ☆☆☆☆☆☆

علمی تحقیق

روشنی کا سفیر

ابو علی حسن ابن الہیثم

انس مسرور ترابی

قرونِ وسطیٰ یورپ کی تاریخ میں وہ زمانہ کہلاتا ہے جس میں مذہبی اور مقتدر طبقہ کے مظالم سے خلقت بدترین حالت میں تھی۔ علم کی روشنی کا پتا نہ تھا۔ لوگ اپنی جہالت پر فخر کرتے تھے کہ ان کو لکھنا پڑھنا نہیں آتا۔ یہ زمانہ ۴۸۶ء سے ۱۴۹۵ء تک شمار ہوتا ہے۔ پندرہویں صدی عیسوی کے بعد ہی یورپ نے موجودہ ترقی کی راہ پر قدم رکھا جسے ”نشاۃ ثانیہ“ کہتے ہیں۔ ازمنہ وسطیٰ کو زمانۂ اوسط، قرونِ وسطیٰ اور عہدِ متوسطہ بھی کہتے ہیں۔ یہی زمانہ پیروان محمد ﷺ کے عروج و ارتقا اور علمی تفوق کا ہے۔ زندگی کی ہر جہت اور علم کے ہر شعبہ میں مسلمانوں کی علمی خدمات و کمالات اور ایجادات و اختراعات کے موثرات کا سلسلہ آج تک دراز ہے۔

قوموں کے عروج و زوال کی تاریخ بتاتی ہے کہ دنیا میں کسی بھی قوم کو عروج صرف اس کی علمی برتری اور تفوق کی بنیاد پر حاصل ہوتا ہے۔ قرونِ وسطیٰ میں عرب مسلمانوں کو زندگی کے ہر میدان میں جو برتری حاصل ہوئی تھی وہ صرف ان کی علمی ترقی کا نتیجہ تھی۔ اس زمانہ میں مسلمان نہ صرف عقلی علوم میں یگانہ و یکتا تھے بلکہ دینی علوم کے امام بھی وہی تھے۔

آج یورپی قوموں کو جو عروج و مرتبہ اور عزت و توقیر حاصل ہے ان کی بنیاد بھی علم ہی پر ہے اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ یورپ نے یہ علوم ان عرب مسلمانوں سے حاصل کیے جو آج یورپ کے مقابلہ میں پسماندہ ہیں۔

ڈاکٹر اقبال کے بقول: ”مسلمانوں کا علمی ورثہ بڑا عظیم اور قابلِ فخر ہے۔ علم و حکمت کی کوئی شاخ ایسی نہیں ہے جس پر ان کی ذہانت و اجتہاد کا نقش ثبت نہ ہو۔ یہ مسلمان ہی تھے جنہوں نے صحیح معنوں میں علمی روح پیدا کی اور علوم و فنون کو ان کے اصل راستے پر ڈال دیا۔ علم کا وجود جسے آج کل سائنس کہتے ہیں، انہی کا مرہون منت ہے۔ یہ اسلام ہی تھا جس نے وہ شرائط بہم پہنچائیں جن پر علم کی ترقی اور نشو و نما کا دارومدار ہے۔ یہ شرائط کیا تھیں؟ مشاہدہ، معائنہ، فکر و نظر محسوس اور غیر مرئی کا احترام، تجربہ و تحقیق، تفتیش، حقائق کا اثبات، ان کا مطالعہ اور ان کی مسلسل تاویل و تعبیر۔ یہ شرائط یوں نہ ہوتیں تو علم کا راستہ دیر تک رکا رہتا ہے“۔

(”اقبال کے حضور میں“ سیّد نذیر نیازی، جزؤ اول، کراچی، جولائی ۱۹۷۱ء)

اسلام نے اپنے ماننے والوں پر تحصیل علم کو فرض قرار دے کر ان پر علوم و فنون کے دروازے کھول دیے۔ چنانچہ یورپ میں ”نشاۃ ثانیہ“ سے کم و بیش پانچ سو سال قبل دسویں صدی عیسوی میں عرب کے شہر بصرہ میں ابو علی حسن بن ہیثم (۹۶۵۔۱۰۴۰ء) پیدا ہوا۔ یہ ایک عظیم ماہر طبیعیات تھا اس نے آنکھ کی بناوٹ اور دیکھنے کے عمل کی صحیح سائنسی تشریح کی۔ اپنے آبائی وطن بصرہ ہی میں اس نے ریاضی اور دیگر علوم کی تحصیل کی۔ اپنی عمر کا ایک حصہ سرکاری ملازمت میں بسر کیا اور ترقی کر کے وزارت کے منصب تک پہنچا لیکن وزارتی مصروفیات اس کے ذہنی و طبعی میلانات سے متصادم و متضاد تھیں چنانچہ عہدۂ وزارت سے سبک دوش ہو کر اس نے اپنے وطن بصرہ کو خیرباد کہہ دیا۔ کافی عرصہ وہ مختلف شہروں میں مقیم رہا۔ زندگی کے بیشتر اوقات اس نے ملک شام میں بسر کیے۔ اس کا زیادہ کام روشنی کی شعاعوں پر ہے۔

ابن الہیثم کو علم المناظر کا امام تسلیم کیا گیا ہے۔ فلسفہ کے ساتھ ہیئت، ریاضی اور علم طب میں بھی دست گاہ حاصل تھی۔ اہلِ یورپ نے علم المناظر کا موجد اور قائد نیوٹن اور آئن اسٹائن کو ثابت کیا ہے لیکن یہ حقیقت نہیں ہے۔

نیوٹن سے صدیوں پہلے دسویں صدی عیسوی میں ابن الہیثم نے اس موضوع پر بنیادی ریسرچ کی تھی اور حیرت انگیز انکشافات کیے تھے۔ البرٹ آئن اسٹائن کا نظریۂ اضافیت، ابن الہیثم سے مستعار لیا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

ابن الہیثم نے دعویٰ کیا تھا کہ اگر میں مصر میں ہوتا تو دریائے نیل میں ایک ایسا بند باندھتا کہ پانی کی کمی و بیشی دونوں صورتوں میں فائدہ اٹھایا جا سکتا۔ جب اس دعویٰ کی خبر شاہِ مصر کو ہوئی تو وہ بہت خوش ہوا چوں کہ اس زمانہ میں ابن الہیثم شام میں قیام پذیر تھا اس لیے شاہِ مصر نے ایک باوقار وفد کو قیمتی تحائف کے ساتھ اس کی خدمت میں بھیجا اور اسے مصر آنے اور دریائے نیل میں بند باندھنے کی دعوت دی۔

ابن الہیثم کو اپنا خواب پورا ہوتا نظر آیا۔ وہ بہت مسرور ہوا لیکن جب مصر جا کر اس نے دریائے نیل کا جائزہ لیا تو اس انکشاف پر سخت حیرت اور مایوسی ہوئی کہ اس عظیم کام کے لیے جس قدر مصارف اور جتنے بڑے عملہ اور جن معدنی آلات کی ضرورت ہے وہ مصر فراہم نہ کر سکے گا۔ اس موڑ پر انتہائی دانش مندانہ انداز میں ابن الہیثم نے اس کارِ عظیم سے اپنا ہاتھ کھینچ لیا کیوں کہ پیش قدمی کے نتیجہ میں مصر کو فائدہ کے بجائے زبردست نقصان کا اندیشہ تھا۔ وہ اقتصادی بحران کا شکار ہو جاتا۔

دعویٰ کی ناکامی اور خواب کی ناخوشگوار تعبیر نے اس پر بہت برا اثر قائم کیا وہ

دنیاوی معاملات اور ہنگامہ زارِ کائنات سے یکسر الگ ہوگیا اور گوشہ نشینی وقناعت پسندی اختیار کرلی۔ اس حالت میں وہ ہر سال تین کتابیں مختلف موضوعات پر تحریر کرتا اور ہر کتاب کے ایک نسخہ کو ڈیڑھ سو دینار میں فروخت کردیتا۔ یہی اس کا ذریعۂ معاش تھا۔ وقت وحالات نے ابن الہیثم کو فقر وفاقہ میں مبتلا کردیا تھا۔ اس نے لوگوں سے ہر رسمِ تعلق کو منقطع کرلیا تھا۔

''عرب تہذیب'' کے مصنف جوزف پال کے بقول فوٹو گرافی کی ایجاد کا سہرا ابن الہیثم کے سر ہے۔ روشنی کے متعلق علمائے یونان کا خیال تھا کہ جب کسی کمرہ میں کوئی چراغ روشن کیا جاتا ہے تو اس کی روشنی آنکھ پر پڑتی ہے اور اس طرح آنکھ سے شعاعِ بصارت نکل کر جس چیز پر پڑتی ہے ہم اسے دیکھ سکتے ہیں۔ ابن الہیثم نے اس نظریہ کو غلط ثابت کیا اور انکشاف کیا کہ جب روشنی کی شعاع کسی چیز پر پڑتی ہے تو منعکس ہوجاتی ہے۔ منعکس ہونے کے بعد ہماری آنکھ پر پڑتی ہے اور چیزوں کو ہم دیکھ سکتے ہیں۔ اس نے یہ بھی لکھا کہ روشنی سیدھے خطوط میں سفر کرتی ہے اور اس کو گزرنے کے لیے ایک واسطے کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان واسطوں کو ابن الہیثم نے تین اقسام میں تقسیم کیا۔ (۱) شفاف (۲) نیم شفاف (۳) غیر شفاف۔

اس نے ''انعکاس'' اور ''انعطاف نور'' کے اصول بھی مرتب کرلیے تھے۔ اس نے انعکاسِ نور کو دو اصولوں کا پابند بتایا۔ شعاع واقع وشعاعِ منعکس اور عمود دونوں ایک سطح پر واقع ہوتے ہیں۔

وہ 'انعطاف'' کا تعارف یوں کراتا ہے کہ جب روشنی کسی لطیف شے جیسے ''ہوا'' سے کسی کثیف شے جیسے ''پانی'' میں داخل ہوتی ہے تو ایک طرف مڑجاتی ہے ''انعطاف'' کو اس نے تین اصولوں کا پابند بتایا ہے۔ جب روشنی کسی لطیف واسطے سے کسی کثیف واسطے کی طرف مڑتی ہے تو عمود کے پچھلے حصّے کی طرف مڑجاتی ہے۔ اور جب روشنی کسی کثیف سے کسی لطیف واسطے کی طرف جاتی ہے تو عمود سے پرے ہٹ جاتی ہے۔ زاویہ واقع اور زاویہ منعطف کی نسبت ہمیشہ ایک سی رہتی ہے۔ یعنی زاویہ ۲/۱-۱۔ بشرط یہ کہ زاویہ چھوٹا ہو۔ شعاعِ واقع اور شعاع منعطف ایک ہی سطح پر واقع ہوتی ہیں۔

ابن الہیثم نے مقعر آئینہ پر بھی تجربات کیے۔ وہ انکشاف کرتا ہے کہ جب روشنی کسی مقعر آئینہ پر پڑتی ہے تو منعکس ہوکر ایک نقطہ پر جمع ہوجاتی ہے۔ اس نے وضاحت کی ہے کہ اگر کوئی روشن چیز مثلاً چراغ وغیرہ اس آئینہ کے سامنے ایک مخصوص فاصلہ کی مناسبت سے رکھا جائے تو اس کا الٹا عکس کسی پردے پر لیا جاسکتا ہے۔ وہ روشنی کو توانائی سے تعبیر کرتا ہے۔ اس موضوع پر اس کی سب سے اہم تصنیف ''المناظر'' ہے جس میں روشنی، اس کی رفتار، حجم اور قوت وتوانائی کے متعلق سے توضیح وتفصیل موجود ہے۔

۶۳ رسال کی عمر میں ابن الہیثم نے اپنی تحریر کردہ کتابوں کی فہرست مرتب کی جس میں ۲۵ رکتابیں ریاضی کی اور ۴۴ رکتابیں طبیعیات والٰہیات کے موضوع پر تھیں۔ وہ کثیر التصانیف تھا۔ اس نے زندگی کے آخری دنوں تک تجربات ومشاہدات کیے اور کتابیں لکھیں۔ اس نے خلوت نشینی اور زہد وقناعت میں زندگی بسر کی۔ علم اور تنہائی نے اسے متقی وپرہیز گار بنادیا تھا۔ وفات سے کچھ عرصہ قبل وہ ''اسہال دموی'' کے مرض میں مبتلا ہوگیا۔ جب بھی کوئی قابض دوا کھاتا تو قے ہوجاتی۔ زندگی سے مایوسی کے بعد ایک روز قبلہ رو بیٹھ کر اس نے حمد ومناجات کی اور کہا:

''ہندسہ (ریاضی) بیکار گیا۔ فنِ طب لغو ثابت ہوا۔ اب یہ کام رہ گیا ہے کہ جان کو جان آفریں کے سپرد کردوں۔ اے اللہ تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔ اے خداوند! تیرے ہی اوپر بھروسا کرتا ہوں اور تیری ہی طرف رجوع کرتا ہوں۔''

دنیائے اسلام کی عظیم ترین شخصیت، مفکر، فلسفی، مدّبر، طبیب، ریاضی داں، انجینئر اور علم المناظر کے اس امام نے ۱۰۳۹ء میں وفات پائی۔ ان کی وفات کے تقریباً نو سو سال بعد مشہور سائنس داں البرٹ آئن اسٹائن نے ۱۹۰۵ء میں نظریۂ اضافیت خاص (Special theory of Reletirity) پیش کیا جس کے تحت خلا میں روشنی کی جو رفتار ہے اس سے زیادہ رفتار کائنات میں کسی بھی چیز کی نہیں ہوسکتی۔ آج اکثر ریسرچ اسکالروں کو نہیں معلوم کہ آئن اسٹائن کا نظریۂ اضافیت (انرجی) ابن الہیثم کے نظریۂ انعکاس وانعطافِ نور کی توسیع شدہ شکل ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ابن الہیثم کے روشنی کے موضوع پر تجربات و انکشافات کی علمی وتجزیاتی فیض رسانی نے البرٹ آئن اسٹائن کو دنیا کا عظیم ترین سائنس داں بنادیا۔ جس کے انرجی سے متعلق نظریے نے سائنس کو مکمل طور پر بدل کر رکھ دیا۔ وہی آئن اسٹائن ۲۲ رسال کی عمر تک ایک کند ذہن طالب علم کہلاتا تھا۔ جس کا اپنا بیان تھا کہ اس کے انرجی سے متعلق نظریے کو صرف ۱۱ رلوگ سمجھتے ہیں۔ یہ خود اپنے آپ میں ایک حیران کن حقیقت ہے۔ آج امریکہ کی لیبارٹریز میں آئن اسٹائن کے دماغ پر مختلف تجربات کیے جارہے ہیں' جسے اس کے مرنے کے بعد محفوظ کرلیا گیا تھا۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ آئن اسٹائن نے اپنی پوری زندگی میں اپنے دماغ کا صرف تیسرا حصہ استعمال کیا۔

آئن اسٹائن کو ریاضی اور شعاعوں سے خصوصی دلچسپی تھی اور ابن الہیثم کو شعاعوں پر ''المناظر'' لکھ کر اس علم کا امام تسلیم کیا گیا۔ ریاضی کے موضوع پر اس نے ۲۵ رکتابیں تصنیف کیں، جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ خدا جانے اس نے اپنے دماغ کا کتنا حصہ استعمال کیا۔

کسی بھی قوم کے علمی ورثے سے اکتساب فیض بہترین عمل ہے لیکن اس کا اعتراف نہ کرنا بدترین بے ایمانی ہے جس کا مرتکب عیسائی یورپ ہمیشہ سے رہا ہے۔ یورپ نے ہمیشہ اپنے اساتذہ کے اعتراف سے گریز کیا۔ ☆☆☆

آپ کے مسائل

تاریخِ ولادت اور جلوسِ محمدی ﷺ

مفتیِ اشرفیہ **مفتی محمد نظام الدین رضوی** کے قلم سے

حضور ﷺ کی تاریخِ ولادت آیا ۹/ ربیع النور ہے یا ۱۲/ ربیع النور، ان میں اصح قول کیا ہے؟
(۲) بارہ ربیع الاول کے موقع پر جلوس محمدی ﷺ نکالنا جائز ہے یا نہیں، اس کے جواز پر کیا ثبوت ہے؟
دریافت طلب امر یہ ہے کہ دونوں سوالات کے جوابات قرآن وحدیث کی روشنی میں عنایت فرما کر عنداللہ ماجور ہوں۔

الجواب: حضور سیدِ عالم تاج دارِ آدم و بنی آدم جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی تاریخِ ولادت ماہ ربیع النور کی بارہویں تاریخ ہے۔ یہی اکثر کا قول اور اسی پر امت کا عمل ہے۔ یوں آپ کی تاریخِ ولادت کے تعلق سے متعدّد اقوال ہیں۔ مگر ۹/ ربیع الاول کا کوئی قول نہیں، یہ کہنا کہ آپ کی ولادت ۹/ ربیع النور کو ہوئی، بالکل غلط اور علمِ تاریخ سے جہالت ہے، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کو اس فن میں بھی کافی دسترس و کمال حاصل تھا اور انھوں نے تاریخِ ولادت کی تحقیق میں ایک رسالہ ہی تصنیف فرمایا۔ "نطق الهلال بارخ ولاد الحبيب والوصال" اس میں بھی ۹/ تاریخ کا کوئی ذکر نہیں۔ اسی رسالہ کا ایک اقتباس یہ ہے:

"اس میں (تاریخِ ولادت میں) اقوال بہت مختلف ہیں۔ دو، آٹھ، دس، بارہ، سترہ، اٹھارہ، بائیس۔ سات قول ہیں، مگر اشہر و اکثر و ماخوذ و معتبر بارہویں ہے۔ مکہ معظّمہ میں ہمیشہ اسی تاریخ میں مکان مولد اقدس کی زیارت کرتے ہیں، كذا فى المواهب والمدارج۔ اور خاص اسی مکان جنت نشان میں اسی تاریخ میں مجلس میلاد مقدس ہوتی ہے۔ كذا فى المدارج، علامہ قسطلانی و فاضل زرقانی فرماتے ہیں. المشهور انه ﷺ ولد يوم الاثنين ثانى عشر ربيع الاول و هو قول محمد بن اسحٰق امام المغازى وغيره و عليه العمل. مشہور یہ ہے کہ حضور ﷺ دوشنبہ کے دن بارہ ربیع الاول کو پیدا ہوئے، یہی امام مغازی ابنِ اسحاق وغیرہ کا قول ہے، اور اسی پر عمل ہے۔ شرح مواہب میں امام ابن کثیر سے ہے۔ "هو المشهور عند الجمهور" اسی میں ہے، هو الذى عليه العمل۔ جمہور علما کے نزدیک یہی مشہور ہے اور اسی پر عمل۔ شرح الہمزیہ میں ہے۔ هو المشهور و عليه العمل۔ اسی طرح مدارج وغیرہ میں تصریح کی اور شک نہیں کہ تلقی امت بالقبول کے لیے شانِ عظیم ہے۔ لاجرم عید میلاد والا بھی کہ عید اکبر ہے، جمہور مسلمین کے قول و عمل ہی کے مطابق بہتر ہے۔

(فتاویٰ رضویہ، ص:۲۶، ۲۷، ج:۱۲) واللہ تعالیٰ اعلم

(۲) عید میلاد النبی ﷺ کے مبارک موقع پر باوقار جلوس نکالنا نہ صرف جائز بلکہ مستحسن ہے کہ یہ حضور رحمتِ عالم ﷺ کی آمد آمد پر خوشی کا اظہار ہے۔ قرآن پاک میں ہے:

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا.

اے محبوب فرمادیجیے کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت پر خوشی مناؤ۔ اور حضور سیدِ عالم ﷺ یقیناً خدائے وحدہ لاشریک کا سب سے بڑا فضل اور سب سے بڑی رحمت ہیں۔

اس جلوس کی اصل یہ ہے۔

الف: علامہ ابن جوزی نے اپنی کتاب شرف المصطفیٰ میں امام بیہقی کی سند متّصل سے یہ حدیث نقل کی ہے کہ ہجرت کے موقع پر حضرت بریدہ اپنے قبیلہ بنو سہم کے ستر سواروں کے ہم راہ رسول اللہ ﷺ کو گرفتار کرنے کے لیے آپ تک پہنچ گئے، پھر کچھ باہمی گفتگو کے بعد حضرت بریدہ اور ان کے تمام ہمراہی مشرف بہ اسلام ہوگئے۔ حضرت بریدہ نے عرض کی کہ حضور آپ مدینہ منورہ میں اس شان کے ساتھ داخل ہوں کہ آپ کے ساتھ ایک پرچمِ رسالت ہو۔

پھر انھوں نے اپنا عمامہ کھول کر نیزے میں باندھ دیا اور پرچم بلند کیے ہوئے سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کے آگے آگے چلنے لگے۔ شرف المصطفیٰ کے الفاظ یہ ہیں:

فقال بريدة للنبى ﷺ: من انت؟ قال: انا محمد بن عبد الله رسول الله، فقال بريدة: اشهد ان لااله الا الله،

واشهد ان محمدًا عبده ورسوله، فاسلم بريدة واسلم من كان معه جميعا، فلما اصبح قال بريدة للنبی ﷺ: لا تدخل المدينة الّا ومعك لواء،فحل عمامته ثم شدّها فی رمح ثم مشی بين يديه ﷺ.(وفاء الوفا باخبار دار المصطفیٰ تاليف الامام نور الدين، علی بن احمد سمهودی، م۹۱۱ھ، ص:۲۲۵، ج:۱)

ظاہر یہ ہے کہ حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ جو ستر سوار مشرف بہ اسلام ہوئے تھے، وہ بھی سرکار کے اعزاز میں آپ کے ہمراہ ہو گئے تھے، تو یہ شکل جلوس ہی کی ہوئی، اس کی مزید وضاحت مدارج النبوۃ کے اس اقتباس سے ہوتی ہے:

"جب انصار محبت شعار نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہجرت کی خبر سنی تو روزانہ مدینہ منورہ کی چوٹیوں پر آتے اور آفتاب جمالِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے طلوع کے منتظر رہتے۔ جب سورج گرم ہو جاتا اور دھوپ سخت ہو جاتی تو گھروں کو لوٹ جاتے، اچانک ایک یہودی کی جو مقامِ مقررہ پر کھڑا تھا اس جماعت مبارکہ کے کوکبۂ قدوم پر نظر پڑی اس نے جان لیا کہ حضور انور تشریف لے آئے ہیں، تو قبیلہ انصار کو جو کہ اس کے قریب ہی تھے، آواز دی کہ یہ آرہے ہیں تمھارے مقصد ومقصود۔ تمام مسلمان اپنے اپنے ہتھیاروں سے لیس ہو کر سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے استقبالِ اجلال کے لیے نکل پڑے اور انھوں نے "بالائے حرہ" ملاقات کی، مرحبا اھلاً و سھلا کہتے ہوئے مبارک بادی و خوشی و مسرت کا اظہار کرنے لگے، ان کا ہر جوان بچہ، عورت و مرد اور چھوٹا بڑا کہنے لگا۔ جاءَ رسولُ اللهِ وجاءَ نبیُ اللہ۔ اللہ کے رسول تشریف لائے اور اللہ کے نبی نے قدوم میمنت لزوم فرمایا۔ اور اپنی عادت کے مطابق خوشی و مسرت میں اچھلنے کودنے لگے۔

بیان کرتے ہیں کہ قبیلہ بنو نجار کی لڑکیاں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خوشی و شادمانی میں دف بجاتی اور گاتی ہوئی نکل آئیں ؎

نحن جوار من بنی النجار　　يا حبّذا محمدًا من جار

قبیلۂ بنو نجار کو ایک جانب سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ قریبی نسبت بھی تھی (یعنی سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اسی قبیلے کی دختر تھیں) اس کے بعد حضور نے قبائل انصار کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ کیا تم مجھے پسند کرتے ہو؟ سب نے بیک زبان کہا یقیناً یا رسول اللہ! حضور نے فرمایا میں بھی تم سے محبت رکھتا ہوں۔ قبائل انصار کی پردہ نشیں عورتیں اپنے اپنے گھروں کی چھتوں، دروازوں اور گلیوں میں کھڑے ہو کر یہ تہنیت گانے لگیں ؎

طلع البـــدر علينا　　من ثنـيات الوداع
وجب الشكر علينا　　مادعـــا لله داع

بعض روایتوں میں اتنا زیادہ اور آیا ہے۔

ايها المبعوث فيـــنا　　جئت بالامر المطاع

سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ میں اس زمانے میں آٹھ یا نو سال کا تھا، آپ کی آمد سے در و دیوار ایسے روشن و منور ہو گئے جس طرح آفتاب طلوع کرتا ہے۔ اسی طرح جس دن اس آفتابِ نبوت نے اس جہان سے روپوشی اختیار کی سب جگہ تیرہ و تاریک ہو گئی تھی۔ بعینہ اسی طرح جیسے سورج غروب ہو جاتا ہے۔

(مدارج النبوۃ مترجم، ص:۱۰۵،۱۰۶، ج:۲)

مواہبِ لدنیہ میں ہے کہ تہنیت کے اشعار بیہقی نے دلائل النبوۃ میں اور حافظ محمد ابراہیم ابوبکر مقری نے کتاب الشمائل میں ابن ابی عائشہ سے روایت کیے ہیں۔ (شرح الزرقانی علی المواہب، ص:۳۵۹، ج:۱، قصہ سراقہ)

صحیح مسلم شریف میں حدیثِ ہجرت میں ہے، صحابیِ رسول حضرت براء بن عازب ہجرت کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کے مدینہ منورہ پہنچنے پر انصار مدینہ کے پر جوش استقبال کی منظر کشی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فصعد الرجال والنساء فوق البيوت وتفرق الغلمان والخدم فی الطرق ينادون يا محمد يارسول الله يامحمد يارسول الله.

تو مرد اور عورتیں مکانوں کی چھتوں پر چڑھ گئے اور لڑکے اور خدّام راستوں میں پھیل گئے، سب کی زبان پر یہی نعرہ تھا۔ یا محمد یا رسول اللہ۔

(صحیح مسلم شریف، ص:۴۱۹، ج:۲، باب فی حدیث الہجرۃ)

(ب)- مواہب لدنیہ اور اس کی شرح زرقانی میں ہے:

(لما قدم رسول الله ﷺ من تبوك، كلهم رجالا ونساء وصبيانا وولائد فرحًا وسرورًا (يتلقونه من ثنيّة الوداع...وقال الطبری: وتفرّق الغلمان والخدم فی الطّرق ينادون) فرحا (جاء محمّدٌ، جاء رسو الله)

وهذا أخرجه الحاكم فی الاكليل عن البراء، ولفظهٗ: فخرج الناس حين قدم المدينة فی الطّرقِ و الغلمان والخدم، يقولون: "جاء محمدٌ رّسولُ الله، الله اكبر، جاء محمدٌ رسول الله. اه ملتقطاً.

جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تبوک سے واپس ہوئے تو سارے لوگ مرد، عورتیں، بچے، بچیاں خوشی و مسرت کے باعث باہر نکل پڑے اور آپ سے ملنے کے لیے ثنیۃ الوداع تک پہنچ گئے.... علامہ طبری فرماتے ہیں کہ اور بچے و خدام راستوں میں پھیل گئے اور خوشی میں پکارنے لگے۔ "آ گئے محمد، آ گئے رسول اللہ"۔

اور حاکم نے اکلیل میں حضرت براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے

روایت کیا کہ جب حضور مدینہ طیبہ آئے تو لوگ، چھوٹے چھوٹے بچے اور نوکر چاکر سب باہر نکل کر یہ نعرہ لگانے لگے:

"آگئے محمد رسول اللہ، اللہ اکبر، آگئے محمد رسول اللہ۔"

(المواہب اللدنیہ و شرح العلّامۃ الزرقانی، ص:۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ج:۱/ باب الہجرۃ المصطفیٰ/قصۃ سراقۃ/دار المعرفۃ، بیروت، لبنان)

ایک قول یہ ہے کہ اس موقع پر بھی عورتیں حضور ﷺ کے استقبال میں تہنیت کے وہ اشعار پڑھ رہی تھیں:

(شرح الزرقانی علی المواہب، ص:۳۶۰، ج:۱، دار المعرفۃ)

ان روایات سے چند باتیں واضح ہو کر سامنے آئیں۔

☆حضور سید عالم ﷺ کی مدینہ منورہ آمد آمد پر انصارِ کرام اور ان کے بچے کثیر تعداد میں آپ کے استقبال کے لیے گھروں سے نکل پڑے اور ثنیۃ الوداع سے پورے اعزاز کے ساتھ لے کر مدینہ منورہ آئے، بچے، بچیاں، نوکر چاکر، ان سب نے بھی سرکار علیہ الصلاۃ والسلام کا بڑے والہانہ انداز سے خیر مقدم کیا

☆ایسا دو بار ہوا ایک بار ہجرت کے موقع پر اور ایک غزوۂ تبوک سے واپسی پر۔ اس جلوس کی شکل یہ تھی کہ آگے آگے ایک صحابی پرچم رسالت بلند کیے ہوئے چل رہے تھے اور دوسرے کثیر صحابۂ کرام اللہ اکبر اور یا محمد اور یا رسول اللہ کے نعرے لگا رہے تھے اور بچوں میں یہ دھومیں مچی تھیں۔ "آگئے محمد، آگئے رسول اللہ"

☆عورتیں اور بچیاں نعتِ پاک کے یہ اشعار گنگنا رہی تھیں۔

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا مادعا للہ داع
ایہا المبعوث فینا جئت بالامر المطاع

یہ جلوسِ رسالت تھا جو مدینہ منورہ میں آپ کی تشریف آوری کی خوشی میں انصارِ مدینہ نے نکالا تھا اور سرکارِ دوعالم ﷺ نے اسے پسند فرمایا۔ اب غور فرمائیے، آج عید میلاد النبی ﷺ کے موقع پر جو جلوسِ رسالت نکالا جاتا ہے، وہ اسی کی مکمل نقل تو ہے، اس میں انصارِ کرام کی پیروی میں شمع رسالت کے پروانوں کا ایک بڑا مجمع ہوتا ہے، سب لوگ اچھے اچھے کپڑے پہنے عقیدت مندانہ جمع ہوتے ہیں، کچھ کے ہاتھوں میں پرچم ہوتا ہے جس پر یا رسول اللہ یا اس طرح کے کلمات لکھے ہوتے ہیں، کچھ لوگ سرکار کی نعتیں پڑھ رہے ہوتے ہیں اور اسی میں وقفے وقفے سے نعرۂ تکبیر اللہ اکبر نعرۂ رسالت یا رسول اللہ کی صدائیں گونجتی رہتی ہیں، تو یہ پورے طور سے انصارِ کرام کے "جلوس رسالت" کی مشابہت ہوئی۔

تمام مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ حضور سید عالم ﷺ آج بھی زندہ ہیں اور امت کے احوال کا مشاہدہ فرماتے ہیں، جیسا کہ محقق علی الاطلاق شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب "سلوک اقرب السبل" میں صراحت فرمائی ہے۔ تو سرکار علیہ الصلاۃ والسلام ضرور اپنے چاہنے والوں کے جلوسِ عیدِ میلاد کا مشاہدہ فرماتے اور اس پر خوش ہوتے ہیں، یہ ایک کارِ حسن ہے، حدیث میں ہے:

من سنّ فی الاسلام سنة حسنة فله أجرها واجر من عمل بها من بعده من غیر ان ینقص من اجورهم شئ.

جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ ایجاد کیا تو اسے اس کا اجر ملے گا اور اس کے بعد جتنے لوگ اس پر عمل کریں گے، اس کا اجر بھی اسے ملے گا، بغیر اس کے کہ ان عمل کرنے والوں کے اجر میں کوئی کمی ہو۔

(صحیح مسلم، مشکوٰۃ المصابیح، ص:۳۳، کتاب العلم، مجلس برکات)

دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

ماراٰہ المسلمون حسنا فهو عند الله حسن،

جسے مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔

(حاکم مستدرک)

نیز ارشادِ رسالت ہے: "من تشبه بقوم فهو منهم"

جو کسی قوم کی مشابہت اختیار کرے وہ انہی میں سے ہے۔

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ مسلمانوں کا صحابۂ کرام کے جلوسِ رسالت کے مشابہ جلوس نکالنا ایک محمود و مستحسن کام ہے۔ پھر مسلمان جو کام اچھا سمجھ کر کریں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے، بلکہ جو اچھی بات یہ ایجاد کریں اس پر اللہ عزوجل انھیں ثواب عطا فرماتا ہے۔ اس لیے آج کے زمانے میں بھی یومِ ولادت کے موقع سے خوشی منانا، فرح و سرور کا اظہار کرنا اور سرکار کی تعظیم و توقیر کے لیے جلوسِ رسالت نکالنا سب جائز و مستحسن ہے۔

البتہ جو چیزیں شرعی نقطۂ نظر سے ممنوعات و منکرات سے ہیں، وہ بہر حال ممنوعات و منکرات سے ہی رہیں گے۔ مثلاً ڈی، جے بجانا اور ڈی جے پر حمد و نعت کے اشعار پڑھنا، ناچنا، تھرکنا، آتش بازی کرنا، اذان و جماعت کے وقت نماز سے غافل رہ کر کسی دوسرے کام میں مشغول رہنا وغیرہ وغیرہ۔ یہ غیر شرعی کام جلوس رسالت کے ساتھ ہوں تو بھی ممنوع و گناہ ہیں۔ اور کسی عبادت کے ساتھ ہوں تو گناہ و ممنوع ہیں، اگر کہیں ناعاقبت اندیش عوام نے اس طرح کی خرافات شروع کر دی ہیں تو انھیں سمجھا کر ان خرافات کو روک دیا جائے، مگر جلوس کو جاری رکھیں۔ قرآن پاک میں ہے: لَا یَضُرُّکُمْ مَنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْ. واللہ تعالیٰ اعلم

....اوراب علمائے اہل سنت کی ذمہ داریاں

محمد حیدر رضا مصباحی

آج جمعہ کا دن ہے، عادت کے مطابق صبح اٹھ کر فجر سے فراغت حاصل کی، لیکن خلافِ معمول باہر نکلا، چلتے چلتے بہت دور نکل گیا اور پتہ بھی نہ چلا۔ چلتا ہی رہا، یہاں تک کہ ایک خاموش بیابان میں جا پہنچا۔

کلائی میں بندھی گھڑی پر نظر ڈالی تو یہ دیکھ کر بھونچکا سا رہ گیا کہ صبح کے آٹھ بج رہے تھے، فوراً الٹے پاؤں پلٹا، لیکن پریشانی یہ ہوئی کہ راہ نہیں سوجھ رہی تھی۔ حیرانی کے عالم میں اِدھر اُدھر مارا پھرتا رہا، پر راستے کی دریافت میں ناکام رہا۔ میں تھک ہار کر بیٹھ گیا۔

کچھ دیر بعد واپسی کے ارادے سے آگے بڑھا تو اس وحشت ناک صحرا میں وہ نظر آئی، چہرہ جیسے چاند کا ایک ٹکڑا ہو، ہونٹ گلاب کی پنکھڑیوں کی مانند، قد و قامت درختِ شمشاد کی طرح، بدن سے پھولوں کی خوشبو پھوٹ رہی تھی، میں اس کی جانب دیر تک تکتا رہا، لیکن کچھ پوچھنے کی ہمت نہ ہوئی، ہوتی بھی کیسے کہ ہم تو اپنی گردن میں شریعتِ طاہرہ کی پابندی کا پٹہ ڈال چکے ہیں، جو ہمیں غیر محرم لڑکیوں کے ساتھ ہم کلام ہونے سے منع کرتی ہے۔ اتنے میں اس نے خود کئی سوال کر ڈالے: ”نام کیا ہے؟“ ”یہاں اس جنگل میں اکیلے کیا کر رہے ہو؟“ ایک انجان نوجوان لڑکی کے ان سوالات پر میں دنگ رہ گیا اور یہ خیال آنے لگا کہ کہیں یہ چاند سی صورت والی صنف نازک جنات سے تو نہیں ہے؟

اتنے میں وہ لب کشا ہوئی اور بولی: ”کیا تجھے میرے وجود پر یقین نہیں آرہا ہے؟ یہ سن کر تو میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ لو اس نے تو اب میرے دماغ میں پیدا ہونے والے شبہے کو بھی پڑھ لیا، ایک بار پھر یہ گمان پختہ ہونے لگا کہ ہو نہ ہو یہ اپنی دنیا کی مخلوق نہیں ہے۔ خیالات کے ان سمندر میں ڈوبتا دیکھ کر اس نے مجھے ٹھوکا لگاتے ہوئے کہا: ”اے جناب! تم نے ابھی تک میرے سوالوں کے جواب نہیں دیے؟“ اس پر میں نے کہا: ”میرا نام زیست ہے، غیر معمولی غرض کے تحت میں یہاں پہنچ گیا ہوں۔“

یہ سنتے ہی وہ تمتما اٹھی اور کہا: ”تم لوگ مخلوق کی رہ نمائی کی خاطر ایک قدم چلنا تو گوارہ نہیں کرتے اور یہاں اس بیابان میں بے مقصد پھر رہے ہو۔“ اس کی یہ بات سن کر میں اچنبھے میں پڑ گیا کہ پری صورت لڑکی (جس کے وجود پر مجھے اب تک یقین نہیں ہو سکا تھا) کیا کہنا چاہتی ہے؟ میں اب بھی اس کو بڑے غور سے گھور رہا تھا، لیکن اس سے پہلے کہ میں اس سے کچھ استفسار کرتا، وہ میری نظروں سے اوجھل ہو چکی تھی۔

اس کی انوکھی ملاقات کی کچھ یادوں کو لیے ہوئے آگے بڑھنا چاہ رہا تھا کہ اچانک کالے کالے بادلوں نے آسمان کو اپنی چادر میں چھپا لیا، ہوائیں تیز ہو گئیں، بجلیاں چمکنے لگیں اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے بارش کی زور دار بوندیں پڑنے لگیں، اپنے بچاؤ کی خاطر میں نے ایک بڑے سے درخت کی پناہ لی، جہاں بمشکل تمام اپنے کو بارش سے بچا سکا۔

بارش بند ہو چکی تھی، دس بجے کا وقت تھا، میں اپنی قیام گاہ کی جانب رواں دواں ہو گیا، ابھی کوئی چالیس پچاس قدم کا راستہ ہی طے کیا تھا کہ وہی مہ لقا روبرو ہو گئی۔ اس کے پتلے پتلے عنابی ہونٹوں پر ایک دلفریب مسکراہٹ رقصاں تھی، اپنے سحر طراز انداز میں یوں گویا ہوئی: ”شاید میری پچھلی گفتگو تمھاری حیرانگی کی نظر ہو گئی اور اس پر غور کرنے کے بجائے تم اب بھی میرے وجود کو یقین کا جامہ پہنانے کے متعلق شک کے دائرے میں گردش کر رہے ہو، لیکن یاد رکھو، آج میں تمھارے بارے میں کچھ پوچھوں گی اور نہ ہی اپنے متعلق کچھ بتاؤں گی، بس اس یقین کے ساتھ تمھارے پاس آگئی ہوں کہ اگر تمھارے اندر مسلکی حمیت و غیرت کی کچھ بھی رمق باقی ہوگی تو تم یہ پیغام اپنے مکتبِ فکر کے ذمہ داروں تک پہنچا دو گے۔

یہ سن کر میں ہمہ تن گوش اس کی طرف متوجہ ہو گیا کہ آخر کس پیغام رسانی کے لیے اس پیکرِ حسن و جمال نے میرا انتخاب کیا ہے، کچھ دیر تک خاموشی رہی، پھر مہرِ سکوت توڑتے ہوئے اس نے کہا: ”میں نے اس وقت تم سے ایک جملہ کہا تھا، کیا وہ یاد ہے؟ میں نے جواب دیا: ”نہیں“۔

نفی میں جواب سنتے ہی اس کا خوب صورت سا چہرہ سرخ پڑ گیا اور بولی: ”کیا تمھیں نہیں لگتا کہ حافظہ کی یہ کمزوری تبلیغ مذہب و مسلک کی راہ میں روڑا بنے گی؟ یقیناً بنے گی، اس لیے کہ کامل اور پختہ مبلغ وہی ہو سکتا ہے جسے اپنے دلائل مع مخالفین کے مواقف و براہین نیز ان کے رد پر دلیلیں مستحضر ہوں ہوں۔ اور ظاہر ہے کہ یہ کام حافظے کی مضبوطی کی بغیر انجام نہیں پا سکتا۔“

اس کی اس گفتگو سے اپنے منفی جواب دینے پر مجھے بڑا قلق ہوا۔ ساتھ ہی یہ بھی احساس ہوا کہ یہ دین و مسلک کے تئیں بڑی ہمدردی ہے، جبھی تو حافظے کی کمزوری کا نقصان اسے یہ سوجھا کہ ایسا شخص اچھا مبلغ نہیں بن سکتا، ورنہ کیا وجہ تھی کہ اس نے ضرر میں اسے بیان کیا، جب کہ اس کے اور بہت سارے نقصانات ہیں جو اہلِ فہم پر مخفی نہیں۔

پھر اس نے خود ہی اس جملے کو یوں دُہرایا: ”تم لوگ خلقِ خدا کی ہدایت کی خاطر ایک قدم چلنا تو گوارہ نہیں کرتے، مگر لمبے لمبے ایسے دورے کرتے ہو، دین و ملت کو جن کا کوئی معتد بہ فائدہ نہیں ملتا۔ کیا میرا یہ تبصرہ مبنی بر حقیقت نہیں تھا؟“ میں تھوڑی دیر کے لیے سوچ میں پڑ گیا۔ اتنے میں اس نے مجھے جھنجھوڑتے ہوئے کہا: ”کیا اب غلطی قبول کرنے کا جذبہ بھی تم لوگوں کے اندر سرد پڑ گیا ہے؟ کیا اب اعترافِ حق کی ہمت بھی تم لوگوں نے کھو دی ہے؟“ میں اب بھی اس کے چہرے پر نظریں جمائے تھا، دیکھتے دیکھتے اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا ریلا پھوٹ پڑا۔ میں اپنی جگہ پہلو بدلنے لگا کہ آخر ان شیریں چشموں سے شوریلا پانی کیوں ابل رہا ہے؟ اسی پیچ و تاب میں تھا کہ اس نے ایک آہِ سرد کھینچی اور کہا:

”یہ ایک حقیقت ہے کہ آج تم لوگوں کی حالت انتہائی ناگفتہ بہ ہے، تم میں کا ہر کوئی اپنے کو وقت کا رازی و غزالی سمجھتا ہے، جب کہ عملی میدان میں تم ہی لوگ سب سے پیچھے ہو۔۔“

میں نے فوراً بھانپ لیا کہ اس وقت بہت جلدی اس جوشِ خطاب سرد پڑنے والا نہیں ہے، اس لیے گھڑی پر نظر ڈالی تو پتہ چلا کہ دن کے گیارہ بج چکے ہیں، میں نے اس سے کہا: ”آج اتنے پر بس کرو، پھر کبھی ملاقات ہوگی تو بقیہ باتیں بتا دینا، جمعے کا وقت قریب آ چکا ہے، مجھے غسل سے فراغت حاصل کر کے جامع مسجد کے لیے نکلنا ہے۔“ یہ سننا تھا کہ وہ غصے سے لال پیلی ہو گئی اور بولی: ”ایسا دکھا رہے ہو جیسے تجھے جمعہ سے بڑی محبت ہے، جب کہ معاملہ یہ نہیں ہے۔ دراصل تم میری گفتگو سے اکتانے لگے ہو، اس لیے جاں خلاصی کا راستہ تم نے جمعہ کے ذریعہ نکالا، لیکن یاد رکھو، میں تجھے اس وقت تک رخصت نہیں دوں گی، جب تک کہ اپنا درد بھرا پیغام تمھارے واسطے سے لوگوں تک نہ پہنچا دوں، ارے! ویسے بھی تم دیہات کے رہنے والے ہو، چلو گھر جا کر ظہر پڑھ لینا۔“

اب تک ہم دونوں کھڑے تھے، اس کا تو پتا نہیں، لیکن میں تھک گیا تھا، جسے اس نے میرے چہرے کی لکیروں سے پڑھ لیا، اس لیے اظہارِ ملاطفت کرتے ہوئے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود میرے سامنے معمولی فاصلے پر دو زانو ہو کر بیٹھ گئی۔ اور وہ نہایت باوقار، سنجیدہ، بارعب ہمدرد معلوم ہو رہی تھی۔ میں کچھ کہنا ہی چاہ رہا تھا کہ اس نے اپنا تیور بدلتے ہوئے وہیں سے سلسلۂ گفتگو کو دراز کر دیا، جہاں پر میں نے خلل اندازی کی ناکام کوشش کی تھی، وہ کہنے لگی:

”تمھاری طرف سے کی جانے والی خلل اندازی سے پہلے جو بات میں نے کہی تھی، اس کی ایک ہلکی سی تشریح یہ ہے کہ علما و سادہ لوح عوامِ اہلِ سنت و جماعت کے رویے اور تبلیغِ دین سے ان کی غفلت کا حال یہاں تک جا پہنچا ہے کہ باطل فرقے والے سادہ لوح عوام اہلِ سنت کے جمِ غفیر کو آئے دن مکر و فریب کے جال میں پھنسا کر اپنا ہم خیال بناتے چلے جا رہے ہیں، مگر عمائدِ اہلِ سنت کے سروں پر جوں تک نہیں رینگتی۔ جہالت کے سبب گم راہی کے قہرِ مذلت میں لوگ گرتے جا رہے ہیں، پھر بھی انھیں اس کی کچھ پروا نہیں، آج صورتِ حال یہ ہے کہ تمھارے بڑے بڑے علما شاید ہی کسی بد عقیدہ، فاسد خیال کو اپنا ہم مسلک بناتے ہوں، جب کہ فرقِ باطلہ کے معمولی معمولی ملا بھی گاؤں کے گاؤں کو اپنے سیلاب کی چپیٹ میں لیے جا رہے ہیں، جانتے ہو اس کا سبب کیا ہے؟

میرے جواب کا انتظار کیے بغیر اس نے خود ہی وجہ پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا: ”تمھارے اور ان کے رویے میں غیر معمولی فرق ہے، جس نے ان کے دائرے کو وسیع سے وسیع کرنے کی راہ ہموار کرنے کے ساتھ ساتھ تمھارے دامنِ پاک کو بھی تنگ سے تنگ کر دیا، کرتا جا رہا ہے اور اللہ جانے یہ سلسلہ کہاں تک کھنچے گا۔“

”سنو! ابھی بھی موقع ہاتھ سے نہیں گیا ہے، اس لیے اس پر ماتم کرنے کے بجائے بہتر ہوگا کہ ان تجاویز پر عمل کیا جائے جو میں تمھارے سامنے بیان کرنے جا رہی ہوں۔“

(۱) دعوتِ دین کی خاطر اجتماعی اور انفرادی طور پر کوشش:

تمھیں اچھی طرح پتہ ہے کہ بیسویں صدی کی تیسری دہائی میں الیاس کاندھلوی نے ”تبلیغی جماعت“ کے نام سے ایک جتھے کی بنیاد ڈالی تھی، آج یہ فرقہ عوامِ اہلِ سنت و جماعت کے لیے بہت بڑا خطرہ بن گیا ہے۔ اس کے کارکنان مختصر سی ٹولی میں تین دن، ہفتہ دن، چالیس دن الگ الگ میعاد کے

لیے ہندوستان کے مختلف علاقوں کا رُخ کرتے ہیں، وہاں کی مساجد میں قیام کر کے عوامِ اہلِ سنت و جماعت کو کلمہ کے بہانے اکٹھا کرتے ہیں اور آہستہ آہستہ اپنے گندے عقائد وخیالات ان تک منتقل کرتے رہتے ہیں، اس مشن میں ان کی کوئی موٹی رقم خرچ نہیں ہوتی، اور بھاری بھرکم مقصد بہ آسانی حاصل کر رہے ہیں۔ اس کے برعکس تمھارے یہاں ایسی کوششیں نہیں ہوتیں، وہاں یہ ہوتا ہے کہ بڑی بڑی کانفرنسیں منعقد ہوتی ہیں، عظیم الشان جلسے کرائے جاتے ہیں، جن میں ملت کے خون پسینے کی کمائی کا ایک بڑا حصہ صَرف ہوتا ہے، لیکن نتیجہ سوائے اس کے کچھ خاص نہیں نکلتا کہ پیشہ ور مقررین اور نعت خواں حضرات کی جیبیں گرم ہوجاتی ہیں اور جلسہ کنندگان کچھ شہرت کما لیتے ہیں۔ سچ کہا ہے کہنے والے نے کہ آج مسلکِ اہلِ سنت و جماعت صرف اپنی حقانیت کی بنا پر باقی ہے، ورنہ کئی دہائیوں سے جو آندھیاں اس کے خلاف چل رہی ہیں اور تمھاری جماعت کی طرف سے جس طرح کا ہلی برتی جارہی ہے، اسے کب کا صفحۂ ہستی سے مٹ جانا چاہیے تھا۔"

"اچھا یہ بتانا تم کرتے کیا ہو؟" میں نے جواب دیا: 'علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں زیرِ تعلیم ہوں، مگر آج کل تعطیلِ کلاں کے موقع سے گھر پر چھٹیاں بِتا رہا ہوں۔" کہنے لگی: "ارے تم نے تو وہاں دیکھا ہوگا کہ یہ باطل فرقے کے لوگ کس قدر پرجوش ہوتے ہیں، اور اپنے مشن کی تبلیغ میں کتنا مخلص ہوتے ہیں، یہ لوگ نہ صرف جماعتی طور پر منظم ہیں اور اپنے افکار و عقائد کی ترویج و اشاعت کے لیے تمام اقامتی ہالوں کی مساجد میں مختلف پروگرامز منعقد کرتے رہتے ہیں نیز سردی و گرمی کی تعطیلات کے موقع سے جوق در جوق نام نہاد دعوتِ دین کے نام پر مختلف علاقوں کا دورہ کرتے ہیں اور یہ سارا کام تنظیمی طور پر انجام پاتا ہے۔ بلکہ انفرادی طور پر بھی یہ لوگ بہت سرگرم ہیں، ہر آدمی اپنی وسعت کے مطابق کوشش کرتا ہے، بلاناغہ ہر منگل کو دو دو تین تین افراد پر مشتمل ٹولیاں الگ الگ کمروں میں جاکر ہر لڑکے کو اپنے درس میں شرکت کی دعوت دیتی ہیں، اخلاقِ حسنہ کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہر ایک سے ملتی ہیں، حد تو یہ ہے کہ وہ لوگ یہ جاننے کے باوجود کہ تم مسلکِ اہلِ سنت و جماعت کے ایک ممتاز مدرسہ کے فارغ التحصیل ہو، پھر بھی تمھارے تئیں ان کے رویے مثلاً تمھیں مولانا صاحب/مفتی صاحب سے خطاب کرنا، تمھاری طرف سے بے التفاتی کے باوجود تمھیں ہر ملاقات کے وقت ان کا سلام کرنا، خیریت پرسی کرنا، اپنے پروگراموں میں شرکت کی دعوت دینا، دشمن کے ساتھ بظاہر حسنِ سلوک کا معاملہ کرنا ہے۔ یہاں تک کہ ان میں سے ایک نے تحفے میں تجھے سیرانی پیش کرنے کی بات کہہ ڈالی تھی، مگر تم نے کمالِ خود داری سے شکریہ ادا کرتے ہوئے اس کی پیش کش کو ٹھکرا دیا تھا۔"

"اب تک خود سوچو کہ جب تم مدرسہ کے فارغ ہو اور الحمد للہ حقیقتِ حال سے پورے طور پر واقف ہو، اس کے باوجود وہ تم سے اچھی طرح ملتے ہیں، پروگرامز میں بلانے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں، تو پھر وہ طلبہ جو صرف اپنے والدین اور گھر کے ماحول سے سنی ہیں، ان بے چاروں کو ان کے گندے عقائد کا علم ہے، نہ اپنی حقانیت کی اتنی سوجھ بوجھ، ایسے طلبہ کو اپنی جماعت سے جوڑنے کے لیے یہ لوگ کیا کیا ہتھکنڈے نہیں اپناتے ہوں گے، ان لوگوں کی ایسی ہی سعیِ مسلسل کا نتیجہ ہے کہ کچھ خوش عقیدہ طلبہ ان کے بہکاوے میں آکر نہ صرف اپنے نظریات سے منحرف ہوئے، بلکہ ان کے فاسد خیالات کے حامل ہوکر اب خود ان کی تبلیغ میں وہ لگ چکے ہیں، غیر غنیمت ہے کہ پچھلے کچھ سالوں سے مدارسِ اہلِ سنت کے طلبہ کی اچھی خاصی ٹیم نے بھی یونیورسٹیوں کا رخ کیا ہے، قابلِ مبارک باد ہیں وہ طلبہ جنھوں نے اس سمت قدم بڑھایا ہے کہ آج سنی طلبہ بھی قرآن پاک اور احادیثِ کریمہ کے درس کے ذریعہ بھولے بھالے طلبۂ اہلِ سنت کو نہ صرف حقیقت سے روشناس کرا رہے ہیں، بلکہ ان باطل لوگوں کی خامیوں کی پردہ دری کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی حقانیت کی دلیلیں بھی ان تک پہنچا رہے ہیں۔"

"تم نے علی گڑھ یونیورسٹی میں یہ بھی اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ یہ لوگ بیرونی ممالک مثلاً امریکہ، ساؤتھ افریقہ، فرانس، انڈونیشیا، سری لنکا، ملیشیا اور دیگر ممالک سے تبلیغی جماعت کے زر خرید مبلغین بلواتے ہیں، ظاہر ہے، ہندوستان ان کی تبلیغ سے بے نیاز ہے کہ یہاں اس کے انجام دینے والے ملا لوگ بکثرت موجود ہیں۔ پھر بھی ان کی آمد و رفت اور دیگر اخراجات کا بار یہ لوگ برداشت کرتے ہیں، جانتے ہو کیوں؟" میں نے کہا: "ہاں جانتا ہوں، اصل میں یہ لوگ بھولے بھالے طلبہ کو یہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ ہم جن افکار و نظریات کے حامل ہیں، پوری دنیا کے مسلمان انھیں عقائد کے ماننے والے اور ان پر کاربند ہیں، اور رہی یہ بریلوی جماعت (ان کے مطابق) تو محض ہندوستان میں ہے، وہ بھی مٹھی بھر، اس لیے ہم حق پر ہیں، وہ نہیں۔"

میرے اس جواب سے مانو اس کی باچھیں کھل اٹھیں، خوشی سے اچھل پڑی، اور یہ کہتے ہوئے میری پیٹھ تھپتھپائے بغیر نہیں رہ سکی کہ خیر یونیورسٹی آنے کے بعد معاملات کے پس منظر کو سمجھنے کی خوبی کچھ کچھ آنے لگی ہے۔ میں نے شکریہ ادا کرتے ہوئے اس سے دعا کی درخواست کی اور کہا: ارے صاحبہ! یہ یونیورسٹی میں داخلے کی برکت نہیں، بلکہ مادرِ علمی الجامعۃ الاشرفیہ

مبارک پور اور امامِ علم و فن کا فیضان ہے۔"

سلسلۂ کلام آگے بڑھاتے ہوئے اس نے کہا: "میری اس تقریر کا مقصد صرف یہ ہے کہ ہمارے مدارس کے طلبہ ان سے سبق لیتے ہوئے الگ الگ جماعت بنا کر ہفتہ میں ایک بار قرب و جوار کی مساجد میں جائیں، عوامِ اہلِ سنت کو اکٹھا کر کے اسلامی نظریات سے واقف کرائیں، دلائل سے بہرہ ور کریں اور فرقِ باطلہ کے مکر و فریب سے روشناس کراتے ہوئے ان کے استدلالات کے رد پر براہین فراہم کریں، ان شاء اللہ اس سے خوش گوار انقلاب آئے گا۔ جلسوں میں مقررین من گڑھت قصے کہانیاں سنا کر سامعین سے واہ واہی لوٹنے کے بجائے اصلاح اعمال و عقائد کی سنجیدہ اسلوب اور اثر انداز طریقے سے برابر دعوت دیں، آخر دین خیر خواہی کا تو نام ہے، جیسا کہ آقائے کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا "الدين النصيحة لله و لرسوله ولكتابه ولعامة المؤمنين (او كما قال ﷺ)" اور یقیناً عوام کے حق میں دین کے تئیں اس سے بڑھ کر کوئی خیر خواہی نہیں ہو سکتی۔"

ایک بار پھر وہ یوں گویا ہوئی: "اس مقام پر یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ انیسویں صدی میں بہت سے باطل فرقوں نے ہندوستان کے منظر نامے پر سر اٹھائے، جیسے "نیچریت" کا فتنہ، "قادیانیت" کی ہلاکت خیز آندھی، "اہل قرآن" کی وبا، مگر دیوبندیت، غیر مقلدیت اور جماعت اسلامی کی طرح وہ فرقے اپنا دائرۂ اثر نہیں بڑھا سکے۔ بلکہ اب تو کچھ کا وجود بھی باقی نہیں رہ گیا، جیسے "نیچریت"، کچھ اپنے وجود و بقا کی جنگ لڑ رہے ہیں، جیسے "اہلِ قرآن" اور بعض باقی تو ہیں مگر وہ چند علاقوں کے مخصوص گھرانوں تک سمٹ کر رہ گئے ہیں، جیسے "قادیانیت" کیا تم اس کی وجہ بتا سکتے ہو کہ آخر ایک حقیقت یعنی بطلان میں مشترک ہونے کے باوجود یہ فرقے کیوں نیست و نابود ہو گئے، یا اس کی کگار تک پہنچ گئے اور وہ فرقے (دیوبندیت، غیر مقلدیت، جماعت اسلامی) نہ صرف باقی ہیں، بلکہ آئے دن اپنا حلقۂ اثر وسیع کرتے جا رہے ہیں اور اہلِ حق کے لیے بہت بڑا چیلنج بن کر کھڑے ہیں۔" میں نے جواب دیا: "اس کے اسباب میں ہماری کوتاہیوں کے ساتھ ساتھ ان کی انتھک کوششیں شامل ہیں، مثلاً تبلیغیوں کا دورہ کرنا، غیر مقلدین کا قرآن و حدیث کی آڑ میں فقہائے کرام پر پھبتیاں کسنا، جماعتِ اسلامی کے حامیوں کا مودودی کے لٹریچروں کو عوام میں مفت تقسیم کرنا اور ان سب کا مراسمِ اہلِ سنت پر شرک کا لیبل لگانا وغیرہ۔" ایک بار پھر اس نے میرے جواب کو سراہا اور بولی: "اس حقیقت کے عیاں ہونے کے بعد اب بھی اگر تم لوگ خوابِ غفلت سے بیدار نہ ہوئے اور اپنی روش کے مطابق سستی پر قائم رہے تو عوامِ اہلِ سنت کے حق میں اس سے بھی بڑھ کر زہر ہلاہل کچھ نہیں ہو سکتا۔"

اب میرے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا اور میں بول پڑا: بس کرو، تم تو بہت بڑی مفکرہ معلوم پڑتی ہو، کیا ان مسائل کی گتھیاں تم سے سلجھ پائیں گی؟" یہ سن کر اس کا چہرہ تمتما اٹھا، کہنے لگی: "میں تو یہ سمجھنے لگی تھی کہ تم میں کچھ شد بد ہے، مگر تم بھی "بزاخفش" نکلے" اس کے چڑھے تیور کو دیکھ کر میں سہم گیا اور ہمت جٹاتے ہوئے بولا: "میں یہ نہیں کہتا کہ ان زندہ مسائل پر بحث نہ کی جائے۔ بلکہ میرا مطلب صرف یہ ہے کہ ان باتوں میں دماغ کھپانے کا کیا فائدہ؟ ایک دو آدمی کے کرنے سے کچھ ہونے والا نہیں، اور سب لوگ سر جوڑ کر سنجیدگی سے غور کرنے والے نہیں، ایسی صورت میں ان پیچیدگیوں میں الجھنے سے کیا حاصل؟"

یہ سن کر وہ سرد پڑ گئی اور شکست خوردہ لہجے میں بولی: "ہاں، تم ٹھیک کہہ رہے ہو، مگر دل کی اس کڑھن کا کیا کیا جائے جو چین سے رہنے نہیں دیتی اور ضلالت و گم راہی کی دلدل میں اپنے بھائیوں کو پھنستا دیکھ کر بے قرار کر دیتی ہے۔ مزید براں یہ کہ اگر ان باتوں میں غور و فکر نہ کرنے کا یہی جواز تمھارے پاس ہے، تو پھر اسی ایک سبب سے کانفرنسوں، جلسوں اور دیگر مقامات پر تقریروں کا دروازہ ہی سرے سے بند ہو جائے گا۔ اس لیے میں آج اپنی گفتگو مکمل کر کے رہوں گی اور تجھے بغور سننا ہی ہوگا، سمجھے؟"

(۲)۔ملکی سطح پر تنظیم کی تشکیل: "اچھا یہ بتا نا تم اخبارات پڑھتے ہو کہ نہیں؟" میں نے اثبات میں سر ہلایا۔ اس پر اس نے کہا: "چلو غنیمت ہے کہ پڑھتے ہو، اخبارات پڑھنے چاہئیں کہ وہ جہاں دنیا کے بدلتے حالات سے قارئین کو روشناس کراتے ہیں، وہ جہاں دنیا کے بدلتے حالات سے قارئین کو روشناس کراتے ہیں وہیں اردو اخبارات مذہبی و سماجی معلومات بھی فراہم کرتے ہیں۔ اوہ! میں کہاں چلی گئی، کہنا یہ ہے کہ ستمبر ۲۰۱۳ء کے اخبارات میں اس حوالے سے (جس موضوع پر گفتگو چل رہی ہے) سے کچھ خاص دیکھا؟" میں ایک بار پھر سہم گیا کہ یہ کیا پوچھ رہی ہے؟ جب کچھ دیر میری منہ پر خاموشی کا بادل سایہ افگن رہا تو یہ دیکھ کر وہ غصے میں آگئی، مانو اس کے دل میں آگ لگ گئی ہو، پھر اپنے کو سنبھالتے ہوئے یوں برس پڑی: "کیا صرف کھیل، تماشا اور رنگین دنیا کی خبریں ہی پڑھتے ہو؟ ارے علاقائی خبروں کی تفصیلات نہ سہی، کم سے کم ان کی سرخیوں پر نظر ڈال لینا چاہیے۔"

میں نے احساسِ شرمندگی کے ساتھ اس سے کہا: "اچھا چلو، تم ہی بتا دو کہ کون سی خاص خبر ہے، جس پر مجھے آگاہ ہونا چاہیے تھا۔" بولی: "حال ہی میں مغربی اتر پردیش کے مظفر نگر اور قرب و جوار کے کچھ اضلاع میں

بھیانک فرقہ وارانہ فسادات بھڑک اٹھے تھے، میرا مقصد تمھیں اس سے باخبر کرنا نہیں، اس لیے کہ جس فساد کی دھمک امریکہ، برطانیہ اور دوسرے ممالک میں سنائی دی ہو وہاں کے موقر اخبارات نے اس خبر کو اپنے صفحات پر جگہ دی ہو، بھلا یہ کیسے ممکن ہے کہ تم تک اس کی آواز نہ پہنچی ہو۔ کہنا یہ ہے کہ فرقِ باطلہ کی کچھ تنظیموں مثلاً جمعیۃ علماے ہند، جمعیۃ اہل حدیث ہند کی طرف سے فسادات کے متاثرین کے ساتھ بڑے ہمدردانہ رویہ کا مظاہرہ کرنے کی خبریں اخبارات میں کئی دنوں تک زینت بنی تھیں۔ ان کی جانب سے کیمپوں میں پناہ گزیں لوگوں کے لیے ریلیف کی گاڑیوں سے کھانے پینے کا سامان فراہم کرایا گیا تھا۔ اور یہ سلسلہ چند دنوں تک جاری تھا۔ بلکہ یہاں تک خبر آئی کہ ایک دن متاثرین میں سے ۳۳؍ نوجوان جوڑوں کو انھوں نے رشتۂ ازدواج کے مضبوط بندھن میں اپنے اخراجات سے باندھا اور ان کا یہ سلوک متاثرین مظفر نگر کے ساتھ کچھ خاص نہیں، بلکہ ملک کے چاہے جس علاقے میں مسلمان نشانہ بنائے جائیں، وہاں پہنچ کر ان کی ہمدردی کرتے ہیں اور مشکل حالات سے نکالنے کی کوشش کرتے ہیں، اس کی نسبۃً تازہ مثال آسام کے مظلومین کی امداد ہے۔"

"اس کے پیچھے ان لوگوں کا مقصد یہ بھی ہوتا ہے کہ جب ہم پریشان حال مسلمانوں کے دکھ مصیبت میں ان کا ساتھ دیں گے تو ظاہر ہے کہ وہ ہم سے جُڑیں گے، ہمیں اپنا مسیحا سمجھیں گے اور ہمیں عین اسلامی جماعت سمجھ کر بعد میں ہمارے افکار و نظریات کے حامل ہو جائیں گے۔"

"دیکھو بھئی! اس نظریے سے ہٹ کر اس اقدام کی نہ صرف ستائش کرنی چاہیے، بلکہ اب وقت آگیا ہے کہ تمھیں بھی اس راستے پر چلنا پڑے گا، اس لیے کہ فسادات آئے دن ہوتے رہتے ہیں، جس میں مسلمانوں کا بھاری نقصان ہوتا ہے، اور بہر حال ایک مسلمان کا جانی و مالی نقصان پوری ملتِ اسلامیہ کا نقصان ہے، پھر یہ کہ حدیث: "المسلم للمسلم کالبنیان یشد بعضه بعضا" کے مطابق ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے حق میں اس عمارت کی طرح ہے جس کی ایک ایک اینٹ مل کر اسے ناقابلِ تسخیر قلعہ کی مانند بنا دیتے ہیں اور کسی ایک اینٹ کا دیوار سے کھسکنا اس کے ڈھا جانے کا سبب بن جاتا ہے۔ اس لیے تم لوگوں کو چاہیے کہ ملکی سطح پر ایک تنظیم کی تشکیل کرو، جو اس طرح کے ہنگامی حالات میں مسلمانوں کے مسائل سے نمٹنے کی کوشش کرے، یہ تمھارا نہ صرف اخلاقی اور سماجی، بلکہ دینی فریضہ بھی ہے، اس لیے کہ مشاہدات سے ثابت ہے کہ جب ایک انسان کس مپرسی کے عالم میں ہوتا ہے، اسے کہیں سے بھلائی کی امید نہیں رہ جاتی ہے تو ایسے نازل وقت میں کوئی فتنہ پرور اس کے ساتھ حسنِ سلوک کا معاملہ کرکے اسے اپنا ہم مذہب و ہم خیال بنا لیتا ہے۔ جیسا کہ پچھلے دنوں برما کے فساد متاثر بعض مسلمان جو دہلی ہجرت کر آئے تھے، عیسائی مشنریاں انھیں سامانِ معیشت اور ملازمت دے کر عیسائیت میں داخل کرنے میں کامیاب ہو گئی تھیں۔ اور کیوں نہ ہو کہ صادق و مصدوق ﷺ کا ارشادِ عالی شان ہے: "کاد الفقر أن یکون کفرا" یعنی محتاجی انسان کو کفر تک بھی پہنچا دیتی ہے۔"

(۳) مفت رسائل کی تقسیم: پھر وہ یوں لب کشا ہوئی: "ارے؟ تم کسی ماہ نامے کے خریدار رہے ہو؟" میں نے کہا: "میں نے کہا: ہاں، ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور اور ماہ نامہ جامِ نور دہلی کا ماضی میں مستقل قاری رہا ہوں، زمانۂ اشرفیہ میں یہ دونوں ماہ نامے دستی موصول ہوتے تھے، نیز ملک کے ایک اور سنی ماہ نامہ (جس کا نام لینا مناسب نہیں ہے) کا ممبر تھا جو بذریعہ ڈاک اکثر بہت تاخیر سے پہنچتا تھا، ممبر شپ کے دوران اس کے کئی شماروں کے دیدار سے محروم رہا اور بدلِ اشتراک ختم ہونے کے کچھ مہینوں بعد مدیر محترم نے اس کا ارسال بھی بند کر دیا تھا۔"

یہاں اس نے ایک آہِ سرد بھری، پھر بولی: "تم نے غیر مقلدین کے ایک پندرہ روزہ جریدہ "ترجمانِ دہلی" کا نام سنا ہے؟" میں نے جواب دیا: "ہاں" اس کے بعد اس نے دھڑلے سے پوچھا: "ارے کہاں تم نے اسے دیکھا؟" میرا جواب تھا: "اپنے کمرے میں" اس پر اس نے کہا: "اس کمرے میں آج سے کوئی چار پانچ سال پہلے امین الدین نام کا ایک لڑکا رہتا تھا، جس کے نام سے یہ رسالہ جاری ہو گیا تھا، اب اس کو یہاں سے گئے ہوئے کئی سال گزر چکے ہیں، پھر بھی رسالہ مفت میں مستقلاً اس امید پر بھیجا جا رہا ہے کہ ہو سکتا ہے ایک شخص ہمارے نظریات کو پڑھنے کے بعد (نہ جاننے کے سبب) انھیں اپنا لے۔"

"میرا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ اس رسالے کے ذمہ داران کی طرح ہمارے سارے ماہ ناموں کے ایڈیٹران بھی گمراہکوں کو مفت میں رسائل تقسیم کرنا شروع کر دیں، بلکہ کہنا یہ ہے کہ امام احمد رضا خاں قدس سرہ نے فروغِ اہلِ سنت کے لیے اپنا جو دس نکاتی پروگرام پیش فرمایا تھا، اس میں ایک یہ بھی ہے کہ عوامِ اہلِ سنت میں رسائل چھپوا کر مفت بانٹے جائیں، یقین جانو کہ امام موصوف کے اس ارشاد کی اہمیت آج کے پر فتن دور میں دو چند ہو گئی ہے۔ اس لیے میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ سنیوں میں سے چند اہلِ ثروت اس کام کی انجام دہی کے لیے کمر بستہ ہو جائیں کہ جو لوگ ناداری کے سبب یا عدم دل چسپی کی وجہ سے مذہبی جرائد نہیں خرید پاتے، ہم ان کے درمیان خالص عقائد اہلِ سنت پر مشتمل مفت رسائل مفت تقسیم کریں گے۔"

(۴) سیاست میں حصہ داری: "سیاست کو تم کس نظر سے دیکھتے

ہو؟ اور وہ کون سی خوب صورت شے ہے جس سے اسے تشبیہ دی گئی ہو؟ میں چکرا کر رہ گیا کہ ابھی تک تو یہ بڑی مفکرانہ باتیں کر رہی تھی، لو اب معاشقہ والی باتیں (خوب صورت شے سے تشبیہ) کرنے پر اتر آئی ہے۔ میں اسی سوچ بچار میں تھا کہ اس نے ہاتھ جھاڑتے ہوئے کہا: چھوڑو تمھاری رائے جاننے کی حاجت نہیں، اس لیے کہ مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ عامۂ مسلمین نے ناامیدی کے سبب یا "گندگیوں کا ڈھیر" سمجھ کر سیاست سے دور رہنا ہی مناسب سمجھا ہے، جب کہ اہلِ سنت و جماعت اگرچہ اکثر معاملات میں فرقِ باطلہ سے پیچھے رہتے ہیں، مگر اس حوالے سے ان سے کوسوں آگے ہیں، جبھی تو اسے شجرۂ ممنوعہ خیال کر رکھا ہے۔"

"لیکن یاد رہے کہ آج ہندوستانی سیاست میں اہلِ سنت کی شراکت چند وجوہ سے اہم ہوگئی ہے، وہ اسباب حسب ذیل ہیں:

الف: ملک کا ایک بڑا طبقہ مدت سے "ہندو، ہندی، ہندوستان" کا نعرہ لگا رہا ہے، یکساں سول کوڈ کی تنفیذ اور گاؤکشی کے منع کرنے پر تلا ہوا ہے اور ۲۰۱۴ء میں ہونے والے عام انتخابات کے لیے ان فرقہ پرست قوتوں نے "موت کے سوداگر" (گجرات کا بدنام زمانہ وزیر اعلیٰ نریندر مودی) کو وزارتِ عظمیٰ کی کرسی کا امیدوار نام زد کر دیا ہے۔ اور مقامِ حیرت والمیہ ہے کہ ایک ڈاڑھی ٹوپی والا آدمی (محمود مدنی) اس شخص کی حمایت میں اٹھ کھڑا ہوا ہے۔ جس کے ویزا پر امریکہ جیسے ظالم نے پابندی لگا رکھی ہے۔ اگر (خدانہ کرے) یہ ظالم، ملک کی کرسی پر براجمان ہو گیا اور پارلیمنٹ میں اہلِ سنت کی نمائندگی نہ رہی تو کیا ہوگا، مستقبل میں، کوئی نہیں جانتا۔"

ب: "اس ملک میں مسلمانوں کے بہت سے قومی سطح کے مسائل ہیں، جن میں سے چند کا ذکر میری تقریر میں آچکا ہے، آج ایک مسئلہ جو ہر مسلمان بالخصوص داڑھی ٹوپی والے شخص کو ہراساں کیے ہوئے ہے، وہ یہ کہ دہشت گردانہ واقعات میں شک کی بنیاد پر انھیں بے قصور گرفتار کر کے جیل کی سلاخوں کے پیچھے ڈھکیل دیا جاتا ہے اور پھر طرح طرح کی اذیتوں سے نڈھال کر کے اقبالِ جرم بھی کرا لیا جاتا ہے۔ "واہ" اے ہندوستانی پولیس کی قابلیت! مگر ان سب کے باوجود خوشی کی بات یہ ہے کہ اس طرح کے بہت سے فرضی معاملات میں خاصی تعداد میں مسلم نوجوان عدلیہ کی طرف سے باعزت بری کیے جا چکے ہیں۔"

"اور یہ بھی کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے کہ اس طرح کی ظالمانہ گرفتاری کے خلاف وقتاً فوقتاً "جمعیۃ علماے ہند" کی طرف سے اجتماعات ہوتے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ اگر کوئی بے قصور مسلم اس فرقے کی طرف سے کیے گئے مظاہروں کے نتیجے میں رہا ہوتا ہے تو اسکے دل میں اس کی عظمت پیدا ہونا فطری ہے، اور یہ احترام بسا اوقات اس جماعت کو حق پر سمجھنے، نیز اس کے اتباع کی سنگین غلطی پر منتج ہوتا ہے، لہٰذا بساطِ سیاست میں قدم رکھنا تم لوگوں کے لیے ضروری ہو گیا ہے۔ لیکن یہ دھیان رہے کہ وہاں جا کے ضمیر فروشی نہیں کرنا ہے، بلکہ مذہب و مسلک اور ملک کے تئیں وفادار بن کر رہنا ہے، پھر یہ کہ سیاست فی نفسہ بہت اچھی شے ہے کہ خدمتِ خلق کا بہترین ذریعہ ہے۔"

میں اس کی ان دل گداز باتوں کو بغور سن تو رہا تھا، مگر اس اعتراف میں کوئی جھجھک محسوس نہیں کرتا کہ اب میں کافی اکتا چکا تھا، جس کے آثار میرے چہرے پر نمایاں ہونے لگے تھے۔ اس ماہرِ نفسیات نے پیشانی پر ابھرتی ہوئی لکیروں سے میری اکتاہٹ کو بھانپ لیا اور نرم لہجے میں بولی: "پیارے، گھبراؤ نہیں، یہ آخری تجویز تمھارے سامنے رکھنے جا رہی ہوں، اس لیے میری گزارش ہے کہ کچھ دیر اور صبر کر لو" میں نے کہا: "چلو، اپنی بات پیش کرو، مگر ازراہِ کرم اپنے خطاب کو طوالت اور گھن گرج سے مرعوب کرنے کی کوشش مت کرنا، بلکہ اختصار کے ساتھ سنجیدہ اسلوب میں صرف اپنا خیال پیش کرو۔" میں اب ہمہ تن اس کی طرف متوجہ تھا، وہ گویا ہوئی۔

(۵)-نظریاتی اختلافات میں اعتدال:

"سنو! قرآن پاک میں جہاں مسلمانوں کے متحد رہنے پر زور دیا گیا ہے، وہیں آپسی اختلافات سے انھیں سختی سے منع بھی فرمایا گیا ہے۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: [ترجمہ: اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور متفرق نہ ہو جاؤ]۔ نیز فرماتا ہے: [ترجمہ: اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اور آپس میں نہ جھگڑو کہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمھاری ہوا اکھڑ جائے گی۔] دیکھو نظریاتی اختلاف اہلِ علم کی پہچان ہے، یہ ہر دور میں رہا ہے اور یہ کوئی بری شے نہیں، بلکہ حدیثِ مبارک "اختلاف امتی رحمۃ" کے مطابق رحمت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان اختلافات کے سبب ہمارے ائمہ و علما میں سے کسی نے عناد میں دوسرے کی تفسیق و تضلیل نہیں کی۔ کیا امامِ اعظم علیہ الرحمہ سے ان کے دونوں شاگرد رشید حضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد (علیہما الرحمہ) کے فقہی اختلافات نہیں ہیں؟ ہیں اور بہت ہیں، اس کے باوجود کسی اور نے تو دور، خود امامِ اعظم نے کبھی سرزنش نہیں فرمائی، امام محمد سے امام شافعی نے شاگردیت کے باوجود اس قدر اختلاف کیا کہ الگ مسلک کی بنیاد ہی پڑ گئی، مگر کسی نے برا نہیں جانا بلکہ رحمت سمجھ کر ان مذاہبِ اربعہ میں سے ایک شمار کیا، جن کی تقلید پر علماے امت کا اجماع قائم ہے۔"

"مگر ان واضح اشارات اور رہ نما نقوش کے باوجود آج علماے اہلِ سنت و

جماعت کے مابین فروعی اختلافات کے باعث جس طرح نزاع کا دائرہ وسیع ہوتا جا رہا ہے، وہ انتہائی افسوس ناک ہے۔ ان اختلافات کی آڑ میں غم و غصہ، گالی گلوج، اور عناد یہاں تک کہ تفسیق وتضلیل کی روش چل پڑی ہے، وہ کسی بھی طرح مسلک و مذہب کے حق میں نہیں ہے۔ یہ لوگ آپس ہی میں ایسے دست و گریباں ہیں ہیں انھیں فرقِ باطلہ اور ادیانِ زائغہ کے متبعین کی طرف رخ کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ ان اختلافات کا ایک تاریک پہلو یہ بھی ہے کہ عوام بے چاروں میں جو سنجیدہ ہیں، وہ ششدر اور پریشان رہ جاتے ہیں کہ آخر یہ جب دونوں فریق اہلِ حق ہیں، تو پھر ان میں کس کی سنی جائے اور کس کی نہیں؟ اور جو لوگ لاابالی قسم کے ہوتے ہیں، انھیں اس میں خوب مزہ آتا ہے، اور دل کھول کر علما کا مذاق اڑاتے ہیں۔"

"اس کے برعکس ہندوستان میں جو باطل فرقے ہیں، وہ آپس کے اصولی اور فروعی اختلافات کے باوجود تمھارے مقابل ایک صف میں کھڑے نظر آتے ہیں، ایک اسٹیج شیئر کرتے ہیں، جسے دیکھو تم لوگوں کے خلاف ہرزہ سرائی کرتا ہے، تمھارے مراسم پر پھبتیاں کستا نظر آتا ہے، شرک شرک کی رٹ لگانے میں سب یک زبان ہیں، وہ ایک دوسرے کی اقتدا میں نماز پڑھتے ہیں، گلے بھی ملتے ہیں، غرض ہر وہ کام کرتے ہیں، جس سے ان کے اتحاد و یگانگت کا پتہ چلتا ہے۔"

"میرا ہرگز یہ مقصد نہیں کہ اب تم لوگ ان اسلامی فرقوں سے اتفاق کر لو جن کے ساتھ عقائد و اصولیات میں تمھاری ان بن ہے۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے، جب کہ تمھارے سامنے حضرت ابوالحسن اشعری علیہ الرحمۃ کا اسوہ موجود ہے کہ کیسے انھوں نے اپنے استاذ ابوعلی جبائی سے اس وقت یکلخت ناطہ توڑ لیا تھا، جب اس نے ایک اسلامی عقیدے میں سیندھ لگانے کی کوشش کرتے ہوئے یہ بک دیا تھا کہ اسلام وکفر کے بیچ میں ایک منزل ہے، جسے اصطلاح میں "منزلة بين منزلتين" سے جانا جاتا ہے۔

"بلکہ کہنا بس یہ ہے کہ اہلِ سنت و جماعت کے لیے اب از حد ناگزیر ہو گیا ہے کہ وہ اس دبیز خول سے نکل آئیں، جسے انانیت، خود پسندی، پندارِ علم، بے جا عصبیت اور اس طرح کے دوسرے امراضِ قلبیہ سے سل دیا گیا ہے۔ مسلک کے فروغ کی خاطر نظریاتی اور فروعی اختلافات کو پردۂ نسیان میں پھینک کر شیر وشکر ہو جائیں اور ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کام کریں۔"

"ممکن ہے تمھارے ذہن کو یہ خلجان پریشان کر رہا ہو کہ جب یہ ان فرقوں کے بطلان پر یقین رکھتی ہے، تو پھر اپنی تجاویز میں انھیں کے طریقۂ کار کو اپنانے کی وکالت کیوں کی ہے؟ دیکھو! اصل معاملہ یہ ہے کہ اس راستے کو اختیار کرنا چاہیے جو سائنٹفک ہو، دشمن کی راہ سے بہتر یا اس کے مثل ہو اور اسلام کے اصول و ضوابط سے متصادم نہ ہو، ورنہ پچھڑنے کا امکان زیادہ رہتا ہے۔ آج تمھارے مخالفین سائنٹفک طریقوں کو اپنا کر اپنا مشن آگے بڑھا رہے ہیں، اب اگر تم نے ان سے بہتر یا کم سے کم ان جیسے طریقے نہ اپنائے، تو پھر سوادِ اعظم کے سکڑنے کی صورت میں تم لوگوں کو ہزیمت اٹھانی ہی پڑے گی، اور صرف یہ یقین کہ ہم حق پر ہیں، اس ناکامی سے نہیں بچا سکتا۔"

"تقریبِ فہم کی خاطر ایک تاریخی واقعے کی طرف تجھے لے چلتے ہیں، جس مغلیہ سلطنت کی شان و شوکت پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے آر پی تری پاٹھی نے اپنی کتاب Rise & Fall of the Mughal Empire میں عظمت و رفعت، طاقت و قوت اور تہذیبی اعتبار سے اسے سلطنتِ روما کے ہم پلہ گردانا ہے، کبھی غور کیا کہ اس کی بنیاد کیسے پڑی تھی؟ بابر نے تقریباً ۲۰۰۰۰ فوجیوں کے ساتھ کیسے ابراہیم لودھی کے ایک لاکھ جنگ جوؤں کا مقابلہ کر کے پانی پت کی جنگ میں اسے شکست سے دوچار کر دیا تھا، جس سے بالآخر مغلیہ جیسے عظیم سلطنت کی داغ بیل پڑی تھی، قلتِ تعداد کے باوجود بابر کی وہ فتح در حقیقت سائنٹفک طریقہ اپنانے اور عمدہ ہتھیاروں کے استعمال کی وجہ سے ہی ممکن ہو سکی تھی، جب کہ وہ اس جہت سے غلط تھا کہ ایک مسلم بادشاہ کے خلاف صف آرا تھا، اس کے برعکس دوسری طرف ابراہیم لودھی نے ان طریقوں کو اختیار نہیں کیا، اور نتیجۃً کثرتِ تعداد کے باوجود ہندوستان کا تاج و تخت گنوا بیٹھا، جب کہ وہ اس لحاظ سے درست تھا کہ اپنی سلطنت کے بچاؤ کی خاطر میدانِ کارزار میں آنے پر مجبور ہونا پڑا تھا۔"

یہاں پہنچ کر اس نے راحت کی سانس لی اور بولی: "ہاں بھئی! مجھے تم سے جو کہنا تھا، وہ کہہ دیا۔ اب تم پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اسے اپنے مکتبِ فکر والوں تک کیسے پہنچاؤ گے؟" میں ابھی طریقۂ ترسیل کے پیچ و خم میں الجھا ہوا ہی تھا کہ وہاں وہ روپوش ہو گئی اور مجھے احساس تک نہ ہوا۔

اٹھتا ہے پردہ: اس پورے مکالمے میں جس پیکرِ حسن و جمال کی تلخ و شیریں باتیں آپ نے ملاحظہ کیں، وہ کوئی حقیقی، خاکی، یا ناری جسم نہیں، جس نے یہ تجاویز بیان کی ہوں، بلکہ یہ سب راقم کے اپنے خیالات ہیں جسے اس نے اس اسلوب میں صرف اس لیے پیش کیا ہے، تاکہ اس خشک موضوع سے دل اچاٹ ہوئے بغیر قارئین کرام اس کے سارے پہلوؤں کو پڑھ کر محظوظ ہوں، شاید کچھ بندگانِ خدا کے اندر یہ باتیں اتر جائیں اور وہ بھی سوتوں کو جگانے کا کام شروع کر دیں۔

☆☆☆☆

آج کل ساری دنیا میں دہشت گردی کا مسئلہ اہم موضوع بنا ہوا ہے۔ تمام حکومتیں خصوصاً یورپی ممالک اس سے متعلق زیادہ ہی متفکر ہیں۔ یقیناً یہ ایک غیر انسانی معاملہ ہے جس سے ہر ایک کو تشویش ہے، کیوں کہ اس کی وجہ سے امنِ عالم کو خطرہ ہے۔ اس کی وجہ سے ناحق جانیں جاتی ہیں اور مالی نقصان ہوتا ہے، ممالک کی ترقی رک جاتی ہے، سفر ہو یا حضر، رات ہو یا دن، جنگل ہو یا بستی، کہیں بھی انسان کو سکون نہ مل سکے گا۔ ہر وقت خطرہ، ہر جگہ پریشانی ہو تو لطف زندگی کیا رہے گا، اس لیے اس کے خلاف جدوجہد میں سب کو مل کر کوشش کرنا چاہیے۔ اس سے دنیا کو نجات دلانے کے لیے بہترین تدابیر اختیار کی جانی چاہئیں۔ اس وقت ساری دنیا میں ایک ہلچل ہے، ایک خوف ہے، ایک قسم کا احساس کم تری ہے۔ اس تعلق سے مضامین لکھے جارہے ہیں۔ کانفرنسیں اور جلسے منعقد ہورہے ہیں۔ جلوس نکالے جارہے ہیں، کیوں کہ یہ کسی ایک قوم کا یا کسی ایک ملک کا مسئلہ نہیں ہے، بلکہ ساری انسانیت کا مسئلہ ہے۔ اسی لیے اس میں "اسلامی ممالک، یورپی ممالک، کمیونسٹ ممالک اور دیگر قسم کے نظریات اس کی مدافعت میں قدم بہ قدم چل رہے ہیں۔ یہ ایک خوش آئند بات ہے، لیکن اس کا دوسرا پہلو بڑا بدبختانہ ہے وہ یہ کہ ہندوستان کی بعض فرقہ پرست تنظیمیں، متعصب گروہ ملک کے دینی مدارس کے خلاف زبان درازی کررہے ہیں اور ان پر ناحق تہمت لگارہے ہیں، کئی طرح سے انھیں بدنام کرنے کی کوشش کررہے ہیں اور یہ شرانگیز مطالبہ کررہے ہیں کہ انھیں بند کردیا جائے کیوں کہ یہاں سے دہشت گرد پیدا ہوتے ہیں۔ یہاں جہاد کی تعلیم دی جاتی ہے، انسان کو عسکریت پسند بنایا جاتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ مدارس کب سے قائم ہیں، اب تک کتنے دہشت گرد یہاں سے پیدا ہوئے، یہاں کے فارغین کی آج تک کی خدمات کیا رہی ہیں۔ ان سوالات کے جوابات عدل وانصاف کی نظر سے دیے جائیں تو بات صاف ہوجائے گی۔ ہندوستان میں دینی مدارس صدیوں سے قائم ہیں۔ ان کی تعداد کا صحیح شمار ممکن ہی نہیں ہے البتہ چند مشہور و معروف مدارس کی تاریخ قیام، کارکردگی اور ان کا اشاعتی سرمایہ محفوظ ہے۔

آج تک کسی نے ان پر حرف نہیں رکھا، کسی قسم کا اعتراض نہیں کیا، کسی کو دہشت گردی محسوس نہیں ہوئی، یہاں کے فارغین میں سے کسی پر کبھی بھی اس قسم کی سرگرمیوں کا الزام عائد نہیں ہوا۔ کبھی بھی ان کو شک وشبہہ کی نظر سے دیکھا نہیں گیا۔ یہاں سے کوئی دہشت گرد پیدا نہیں ہوا۔ اب اچانک مدارس کیسے دہشت گردی کا اڈہ بن گئے۔ یہاں کی تعلیم، اچانک دوسرا موڑ کیسے اختیار کرلی، یہاں کے فارغین اچانک کیسے تبدیل ہو گئے، یہ سب دینی مدارس کے خلاف تعصب، عداوت، نفرت وظلم و بربریت کا رویہ خود ایک قسم کی دہشت گردی ہے۔ حق و باطل کے کئی معرکے ہوئے، لیکن باطل کچھ دیر کے لیے کامیاب ہوتا نظر آتا ہے، لیکن حقیقت میں اس کی کامیابی نہیں ہے بلکہ زوال کا پیش خیمہ ہے، آج بھی انشاء اللہ تعالیٰ ویسا ہی ہوگا۔ جہاد کے متعلق غلط فہمی پھیلائی جاتی ہے، اس اصطلاح کو بدنام کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ اگر اس کی حقیقت واضح ہوجائے تو امید ہے کہ غلط فہمی دور ہوجائے، اس لیے ہم جہاد سے متعلق ضروری وضاحتیں پیش کرتے ہیں۔

اسلام امن کا علَم بردار:

اسلام ہر ایسی چیز کو حرام بتاتا ہے جس کے ذریعہ فتنہ وفساد برپا ہوتا ہے۔ قرآن میں متعدّد جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُفْسِدِیْنَ"

اللہ تعالیٰ فساد کرنے والوں کو ہرگز محبوب نہیں رکھتا۔

اور ایک جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

شیخ الجامعہ جامعہ نظامیہ، حیدرآباد (اے پی)

"لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا"
زمین میں ان کی اصلاح کے بعد تم فساد نہ کیا کرو۔
اللہ تعالیٰ اچھے کام کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ ارشاد ہے:
"إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ"
احسان کے معنیٰ اچھے کام کے ہیں۔
نیز قرآن مجید میں ارشاد ہے:
"الفتنة اشد من القتل"
فتنہ قتل سے زیادہ سخت شدید ہے۔
متعدّد احادیثِ شریفہ سے امن و سکون کا حکم ملتا ہے۔ حدیث شریف میں ارشادِ مبارک ہے:
"الفتنة نائمة لعنة الله على من ايقظها."
اسلام محبت و مروت کا درس دیتا ہے، اسلام عداوت و بغض سے بعض رکھتا ہے، اسلام عدل و انصاف کا مذہب ہے، اسلام نے رواداری، ہمدردی و غم خواری کا پیام دیا ہے۔ اسلام انسانیت کی تعلیم دیتا ہے، اسلام نے انسان کے احترام کا حکم دیا ہے حتیٰ کہ غیر مسلم میت کے اعضاء کو بھی کاٹنے کی اجازت نہیں دیتا۔
اسلام تمام انسانوں کو اولادِ آدم سمجھتا ہے اور بلا لحاظ مذہب و عقیدہ، رنگ و نسل ہر ایک ساتھ مساویانہ اور ہمدردانہ سلوک کا حکم دیتا ہے۔ ایک آدمی کے قتل کو سارے انسانوں کے قتل سے تعبیر کرتا ہے۔
"انه من قتل نفسا بغير نفس او فساد فى الارض فكانما قتل الناس جميعا". (سورۃ المائدۃ)
اگر کسی مسلمان کے پڑوس میں غیر مسلم پڑوسی ہے اور وہ تکلیف میں مبتلا ہے اور مسلمان اس کی مدد نہیں کر رہا ہے تو اسلام اس کو پڑوسی کے حقوق سے غفلت برتنے والا، کوتاہی کرنے والا بتاتا ہے، اس کی سرزنش کرتا ہے۔ ایثار، قربانی، امداد، اعانت میں کسی قسم کی تفریق کو پسند نہیں کرتا۔ کیا ایسا پاکیزہ مذہب دہشت گردی کو پسند کر سکتا ہے۔ ہرگز ہرگز نہیں۔ دہشت گردی کا اسلام سے اور اسلام کا دہشت گردی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ دہشت گردی بزدلانہ حرکت ہے، اسلام شجاعت کا مذہب ہے اور وہ ایسی کسی چیز کو پسند نہیں کر سکتا، جو شجاعت، عزت و وقار کے خلاف ہو۔
اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ روزِ روشن کی طرح سارے اقوامِ عالم میں عیاں ہے، اس سے بڑھ کر یہ کہ اسلام کے تمام احکام واضح اور ظاہر ہیں۔ اس کا کوئی حکم بھی کسی سے پوشیدہ نہیں، ان ہر دو حقیقتوں کے بعد کیا کوئی انصاف پسند یہ کہہ سکے گا کہ اسلام دہشت گردی کا حکم دیتا ہے۔ یا اسلام کا تعلق دہشت گردی سے ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

دہشت گردی اور جہاد کا فرق:

دہشت گردی کو اسلام سے جوڑنے کی سازش صیہونی سازش ہے جن کی تاریخ اس قسم کی حرکتوں سے بھری پڑی ہے، جو کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اسلام کا ہر حکم واضح ہے وہ امن کی بات بھی علی الاعلان کرتا ہے اور اگر جنگ کی نوبت آجائے تو علی الاعلان جنگ کی بات کرتا ہے، وہ دھوکہ دینے کی بات نہیں کرتا۔
اسلام کے خلاف اس قسم کی سازشیں آج سے نہیں بلکہ چودہ سو سال سے چلی آرہی ہیں۔ کبھی یہ کہا گیا کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا، کبھی یہ کہا گیا کہ اسلام میں عورت کے لیے حقوق نہیں اور آج یہ کہا جارہا ہے کہ اسلام کا تعلق دہشت گردی سے ہے۔ تعجب اس بات پر ہے کہ یہ الزام وہ لوگ لگا رہے ہیں جو خود سب سے بڑے دہشت گرد اور لوگوں کی حق تلفی کرنے والے، انسانی زندگیوں سے کھیلنے والے ہیں، جن کے پاس خود غرضی، مفاد پرستی، نسل پرستی، علاقہ واریت انسانیت سے بڑھ کر مقام رکھتی ہے۔ دہشت گردی کو جہاد سے تعبیر کرنا یا جہاد کے مشابہ قرار دینا جہاد کو بدنام کرنے کی ایک سازش ہے، کیوں کہ جہاد برائی اور ظلم کے خلاف اٹھنا ہر انسانیت رکھنے والے کا مذہب ہوگا۔ اسلام ہرگز اس کی تعلیم نہیں دیتا کہ عدل و انصاف کے پیمانے قوت و طاقت کے تابع ہو جائیں، بلکہ یہ حکم دیتا ہے کہ قوت و طاقت کو عدل و انصاف کے تابع ہونا چاہیے۔ اسلام حالتِ جنگ میں بھی خونِ ناحق پسند نہیں کرتا۔ حالتِ جنگ میں بھی یہ حکم دیتا ہے کہ بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو ہاتھ نہ لگایا جائے۔ چناں چہ ایک جہاد کے موقع پر حضور پاک علیہ الصلاۃ والسلام نے ایک عورت کو مردہ دیکھ کر ارشاد فرمایا: "یہ تو تم سے لڑنے والی نہیں تھی، اسے کیوں قتل کیا گیا۔" حتیٰ کہ جنگ کے موقع پر پھل دار درخت اور باغات اور کھیتوں کو نقصان پہنچانے سے اسلام منع کرتا ہے، کیوں کہ یہ سب چیزیں انسانوں کے کام آنے والی ہیں۔
جو مذہب حالتِ جنگ میں کسی کے خونِ ناحق کو پسند نہیں کرتا ہے، کیا وہ حالتِ امن میں ایسی چیزوں کو پسند کرے گا؟
اسلام نے کبھی ایسی تعلیم نہیں دی کہ اپنے مفاد کی خاطر

دوسروں کا نقصان کیا جائے بلکہ ایسی حرکت کو اسلام نہایت حقیر اور غیر انسانی حرکت سمجھتا ہے۔

اسلام ایسے کو بہادر اور سخی سمجھتا ہے جو اپنے مفاد پر دوسروں کے مفاد کو ترجیح دے۔ مظلوم کی مدد کرنے اور ظالم کو ظلم سے روکنے اور ناحق اور باطل کو قبول نہ کرنے کا حکم دیتا ہے، اگرچہ کہ اس کی وجہ سے اس کا کتنا ہی نقصان کیوں نہ ہو۔

اسلامی کردار کا جوہر:

اسلام ایک دینِ حقیقت ہے، اسلام ایسی چیزوں کو پسند کرتا ہے جو حقیقت اور حق پر مبنی ہوں۔ صرف خیالی مفروضات پر اپنے احکام کی بنیاد نہیں رکھتا۔ اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے جو اپنے اندر عبادات، معاملات، تعزیرات اور دیگر متعلقاتِ حیات پر مشتمل احکام کے ذریعہ اپنے متبعین کی رہ نمائی کرتا ہے اور ہر موقع، ہر مرحلہ میں مسلمانوں کو اس کا پابند کرتا ہے کہ وہ اپنا ہر عمل اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر اختیار کرے، اس میں خود غرضی، دنیا پرستی، خود نمائی نہ ہو، چناں چہ حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ کا وہ مشہور واقعہ اس کی روشن مثال ہے کہ آپ ایک جنگ میں اپنے مخالف پر قابو حاصل کرنے کے لیے اس کے سر کو تن سے جدا کرنا چاہتے تھے کہ اس نے آپ کے چہرے پر تھوک دیا۔ آپ فوراً اس سے دور ہو گئے، اس نے پوچھا، ایسا کیوں؟ آپ نے فرمایا میں یہ عمل اپنے لیے یا اپنی ذات کی منفعت کے طور پر نہیں کر رہا تھا، بلکہ خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر کر رہا تھا، لیکن اب تیرے تھوکنے کی وجہ سے اس کی نوعیت بدل گئی، اگر اب میں وہ عمل کروں تو اس میں میرا نفس شامل ہو جائے گا، اس لیے میں نے دوری اختیار کی۔ بتائیے جو مذہب اس قدر احتیاط کی تعلیم دیتا ہے کیا وہ کسی کے خونِ ناحق کی تعلیم دے سکتا ہے؟

ملک گیری مقصود نہیں:

یہ واقعہ حالتِ امن سے متعلق نہیں ہے، بلکہ حالتِ جنگ سے متعلق ہے۔ حالتِ جنگ میں فوجیں ہر قسم کے عمل کو روا رکھتی ہیں اور کسی قسم کی احتیاط کا کوئی تصور اس کے پیشِ نظر نہیں ہوتا۔ ایسی ہی ایک روایت میں ہے کہ ایک صحابی نے حالتِ جنگ میں اپنے مخالف کو ایسے وقت قتل کیا جب کہ وہ زبان سے لا الہ الا اللہ کہہ رہا تھا۔ صحابی نے اپنی دانست میں سمجھا کہ یہ جان بچانے کے لیے ایسا کہہ رہا ہے۔ اس کا تذکرہ انھوں نے ذاتِ رسالت مآب ﷺ سے بھی کیا۔ حضور پاک ﷺ نے اس پر اپنی ناراضگی ظاہر فرمائی اور ارشاد فرمایا "ھلا شققت قلبہ" تم نے اس کا دل چیر کر کیوں نہیں دیکھا۔ اس ارشادِ مبارک کا مطلب یہ ہے کہ جنگ میں بھی جو تم عمل کر رہے ہو وہ دنیا کی غرض کے لیے نہیں ہے، بلکہ یہ عمل بھی خالصۃً للہ ہونا چاہیے کیوں کہ جہاد سے ہرگز ملک گیری یا مال و متاع کا حاصل کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ جہاد کا مقصد برائی کو مٹانا اور دشمن کے ہمارے خلاف عزائم کو ناکام بنانا ہے۔

چناں چہ فقہ حنفی میں اصولِ فقہ کی مشہور کتاب مسلم الثبوت مصنف علامہ محب اللہ بہاری کی شرح کے صفحہ ۵۳۳ میں ہے: فالشافعیة عللوا الجهاد بالكفر والحنفية عللوا بالحرابة وهو الحق فان كفرالغيرلا يضرالمؤمن الاحرابة فهوالموجبة بقتلهم وجهادهم ومن ثم لا يقتل من الرهبان والنساء ونحوهم۔

اسباب کی تلاش: جہاد کی علت مخالف کی جنگ جویانہ حرکتیں اور ان کا آمادۂ شر ہونا بتایا گیا ہے اور یہ بھی صاف طور پر واضح ہے کہ کفر علتِ جہاد ہوتا تو بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو بھی قتل کرنے کا حکم دیا جاتا، جب کہ اس کی سختی سے ممانعت کی گئی، نیز یہ بھی حکم دیا گیا کہ جو کوئی اپنے گھر کے دروازے بند کر لے اس کو قتل نہ کیا جائے۔ یہ ساری باتیں اس بات پر دلالت کر رہی ہیں کہ جہاد کی علت کفر نہیں ہے بلکہ مخالف کی طرف سے جنگ و قتال کی کوشش ہے۔ نیز تاریخِ اسلام میں مسلمانوں کی مسلمانوں سے بھی جنگیں ہوئی ہیں، ان کو بھی جہاد سے تعبیر کیا۔ جیسا کہ حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درمیان جنگ صفین ہوئی جس میں ہزار ہا افراد ختم ہوئے، اسی طرح حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خوارج سے جنگ کی، اس میں بھی ہزار ہا افراد ختم ہوئے۔ اگر جہاد صرف غیر مسلموں سے جنگ کا نام ہے تو اب ان جنگوں کو کس نام سے موسوم کیا جائے، کیا اس کے لیے فقہ اسلامی میں کوئی اور اصطلاح ہے؟ ایسا نہیں بلکہ اس کو بھی جہاد سے موسوم کیا گیا۔ حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یزید سے مقابلہ کیا جہاد نہیں تھا؟

ان تمام حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اسلام غیر مسلموں کو ختم کرنے کا حکم دیتا ہے، اس کے لیے جہاد کا نظم قائم کیا گیا ہے۔ یہ صرف بہتان اور عناد ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق کو سمجھنے، حق کو ماننے اور حق پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ آمین۔ بجاہ سید المرسلین و آلہ الطیبین و صحبہ الاکرمین۔

☆☆☆☆☆

ڈاکٹر اقبال کا پیغام ابن سعود نجدی کے نام

مولانا سید سیف الدین اصدق چشتی

اسلام کی تعریف فقط ایک جملے میں ’’خدا کی وحدانیت اور پیغمبر خدا ﷺ کی عبدیت ورسالت کی شہادت ہے‘‘۔ اشھد ان لا الہ الااللہ واشھد ان محمدا عبدہٗ ورسولہ، گویا اسلام کا آئیڈنٹی کارڈ ہے۔ جس کے ملتے ہی وہ اسلام کے قصر عظیم میں داخل ہو جاتا ہے۔ اب یہ دوسری بات ہے کہ کبھی طالب علم یا ملازم کے پاس اسکول، کالج یا کمپنی کا آئی کارڈ ہوتا ہے مگر وہ اسکول، کالج یا کمپنی کا باغی یا اس سے خارج ہوتا ہے۔ لیکن اسلام میں مکمل داخل ہونے کے بعد اگر وہ کھلی آنکھوں سے دیکھے تو اسے ہر طرف ’’آثار ومظاہر‘‘ کا جلوہ نظر آجائے گا۔ اسلام کا واحد مقصود عبد کو معبود، ساجد کو مسجود اور مخلوق کو خالق سے جوڑنا ہے۔ اس کے لیے ہمیں جتنے بھی ذرائع ووسائل دیے گئے ہیں، یہ سب کسی نہ کسی طرح ہمارے لیے محبوبانِ بارگاہِ الٰہی کے آثار اور نشانیاں ہیں ۔نماز وروزہ ادائے محبوب کی نقالی ہے۔ حج محبوبان الٰہی کی یادیں اور زکوٰۃ بندوں کی اقتصادی زندگی میں توازن قائم کرنے کے لیے طریق مصطفوی کی پیروی ہے۔ اگر بصیرت سے محروم کسی نظر کو اسلام کے سارے ارکان میں ’’آثار‘‘ نظر نہیں آتے تو اسے کم از کم حج کے ارکان ومناسک میں تو قدم قدم پر آثار نظر آنے ہی چاہیے۔ مقام عرفات کو حضرت آدم وحوا سلام اللہ علیہما سے تعلق ہے۔ مقام ابراہیم، منیٰ، زم زم اور خود کعبہ کو حضرت ابراہیم واسمٰعیل علیہما السلام سے نسبت ہے۔ صفا ومروہ حضرت ہاجرہ کے توسط سے اللہ کی نشانیاں ہیں، اور ان تمام مقامات اور تمام ارکان حج اور طریقۂ حج کو پیغمبر آخر الزماں ﷺ سے نسبت وتعلق ہے۔

اسلام کی جو عمارت کھڑی ہے اس میں کلمہ، نماز، زکوٰۃ، روزہ اور حج کو بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اسلام کے ہر رکن میں دو پہلو ہیں۔ ایک ظاہری اور دوسرا باطنی، اور اصل یہی باطنی پہلو ہوتا ہے۔ ظاہری پہلو تو اس باطنی پہلو تک پہنچنے کا ذریعہ ہوتا ہے، مثلاً کھانے کے لیے لقمہ بنا کر منہ میں ڈالنا، اسے چبانا پھر حلق کے نیچے اتارنا، یہ ظاہری پہلو اور عمل ہے۔ اس کا باطنی اور اصل پہلو جسم کو صحت اور توانائی بخشنا ہے جو پوشیدہ اور باطنی نظام کے تحت چل رہا ہے۔ اسی طرح نماز کا ظاہری پہلو تو صرف قیام، رکوع اور سجود وغیرہ ہے، لیکن باطنی پہلو اللہ رب العزت کی بارگاہ میں گویا بندے کی خود سپردگی اور سیرنڈر (Sarender) کرنا ہے۔ اپنی انا کو اللہ کی رضا میں فنا کرنا ہے، بقول شاعر

اگر بخشے زہے قسمت، نہ بخشے تو شکایت کیا
سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے

یہی تصوف کی اصل، صوفیائے کرام کی طریقت اور حدیث جبرئیل میں لفظ ’’احسان‘‘ کی تعبیر ہے، جس کی بعض ناکندہ تراشوں کو سمجھ نہیں ہوتی اور وہ احوال صوفیا پر نکتہ چینی کر بیٹھتے ہیں۔ مخدوم جہاں حضرت سیدنا شیخ شرف الدین یحییٰ منیری قدس سرہ فرماتے ہیں: نماز پڑھنے کی جگہ کو نجاست کی آلودگی سے پاک کرنا شریعت ہے، اور بشری کدورتوں سے دل کو پاک کرنا طریقت ہے۔ نماز سے پہلے وضو کرنا شریعت ہے، اور ہمیشہ باوضو رہنا طریقت ہے۔ نماز میں قبلہ رو ہونا شریعت ہے، اور اس میں دل کو حق کی طرف متوجہ رکھنا طریقت ہے۔ حواس کے اعتبار سے جو کچھ پیش آئے ان سب کی رعایت کرنا شریعت ہے، اور جو کچھ پردۂ قالب کے اندر ہے اس کی رعایت کرنا طریقت ہے۔ (۱)

حضرت ابو سعید احسان صفوی خوب فرماتے ہیں۔

ایمان اسے کہتے ہیں جس میں کہ ہو تصدیق
احسان جسے کہتے ہیں وہ حسن عمل ہے

اسی طرح حج کا ظاہری پہلو تو خانۂ کعبہ کی زیارت اور اس کا طواف ہے۔ رمل کرنا اور حجر اسود کا بوسہ دینا ہے۔ صفا مروہ میں دوڑنا اور عرفات میں ٹھہرنا ہے۔ مقام ابراہیم پر نماز پڑھنا اور زم زم کا پانی پینا ہے۔ عرفات کی مسجد نمرہ میں ظہر وعصر کی نماز اور مزدلفہ میں مغرب کی نماز عشا کی نماز سے ملا کر پڑھنا ہے۔ لیکن اس کا باطنی پہلو اور اصل مقصد اللہ کے محبوب بندوں کے مقام ومرتبے کو جاننا ہے۔ ان سے نسبت رکھنے والی چیزوں کی تعظیم وتوقیر کا درس لینا ہے۔ دلوں میں نبیوں اور ولیوں کی

عظمت کا نقش بیٹھانا ہے۔ صراط الذین انعمت علیہم کی عملی تعلیم گویا رب اپنے بندوں کو دینا چاہتا ہے۔ یوں سمجھیں کہ "سورۂ فاتحہ" کی یہ آیت کریمہ تھیوری (Theory) ہے اور حج کے مناسک وارکان اس کے پریکٹیکل (Practical) ہیں۔ صراط مستقیم پر جو گامزن رہا وہ راہ حق پر گامزن رہا اور جو اس راہ سے ہٹا، وہ ایمان کی ڈگر سے دور جا پڑا۔ اسی لیے پروردگار عالم کی جانب سے گویا یہ ندا آرہی ہے کہ اے میرے بندو! آؤ جو میں نے تمہیں دعا سکھائی ہے، حج کے ذریعہ اس میں پختگی پیدا کرلو۔

سورۃ الحج میں ہی اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

"وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَاللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ۔" (۲)

اور جو اللہ کی نشانیوں کا ادب واحترام کرتے ہیں تو یہ (تعظیم) اس وجہ سے ہے کہ دلوں میں تقویٰ ہے۔ یعنی یہ اس کے قلب کی پاکی کی بات ہے۔ دلوں کا تقویٰ عبادت ہے اور عبادت توحید ہے۔ گویا اللہ عزوجل نے فرمایا "دلوں کا تقویٰ میری توحید بھی ہے اور میری عبادت بھی" تو جو اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرے وہ گویا اللہ کی عبادت اور توحید کا حق ادا کر رہا ہے۔ معلوم ہوا کہ شعائر اللہ کی تعظیم منافی توحید نہیں بلکہ عین توحید ہے۔

سمجھ میں نکتۂ توحید آ تو سکتا ہے
ترے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہیے

اب آیئے ذرا یہ دیکھیں کہ شعائر اللہ یعنی اللہ کی نشانیاں کہتے کسے ہیں؟ تو ان نشانیوں کی تین قسمیں ہیں۔

۱۔ "ایام" یعنی مخصوص دن، جیسا کہ قرآن میں آیا:

وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰمِ اللّٰهِ۔ (۳) اور انھیں اللہ کے دن کی یاد دلا۔

۲۔ "افراد" یعنی اللہ کے برگزیدہ بندے، جن کے لیے کہا گیا اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰئِكَ رَفِيْقًا۔ (۴)

اللہ کا انعام انبیا، صدیقین، شہدا اور نیک لوگوں پر ہوا، یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں۔

۳۔ "مقام" یعنی مقبولانِ بارگاہ الٰہی سے نسبت رکھنے والی جگہیں، جن کے لیے آیا:

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ۔ (۵)

بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔

وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهٖمَ مُصَلًّى (۶)

اور ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کا مقام بنائو۔

فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرَاهِيْمَ۔ (۷)

ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ میں کھلی نشانیاں ہیں۔

قران وحدیث میں بڑی کثرت کے ساتھ آپ کو ایسی مثالیں مل جائیں گی جن میں اللہ کے محبوب بندوں سے نسبت وتعلق رکھنے والی چیزوں کی تعظیم وتوقیر اور ان کی عزت افزائی ہے۔ وہ جانور بھی جسے اللہ کے محبوبوں سے تعلق ہو گیا تو قرآن نے اسے بھی اللہ کی نشانی قرار دیا ہے۔

حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی، اصحاب کہف کے کتے اور قربانی کے جانوروں کو اللہ نے کیا اپنی نشانیاں قرار نہیں دیں؟

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ۔ (۸)

اور قربانی کے فربہ جانوروں میں تمھارے لیے اللہ کی نشانیاں ہیں اور بھلائی ہے۔

اگر دیگر انبیاے کرام اور اولیاے امت سے نسبت اور تعلق رکھنے والی چیزیں اللہ کی نشانیاں بن گئیں اور ان کی تعظیم دلوں کا تقویٰ قرار پائی، تو کیا سید الانبیا، فخر موجودات، باعث تکوین کائنات، محبوب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت وتعلق رکھنے والی چیزوں اور شخصیتوں کا کیا مقام ہوگا! آپ قرآن کریم کا مطالعہ کریں، دیکھیں کہ اللہ نے کس کس کو اپنا بنایا ہے۔ اَيَّامِ اللّٰهِ (۹) شَعَآئِرِاللّٰهِ (۱۰) آيَاتِ اللّٰهِ (۱۱) اٰلَآءِ اللّٰهِ (۱۲) حُرُمٰتِ اللّٰهِ (۱۳) اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ (۱۴) وغیرہ کے جلوے نظر آئیں گے۔ آثار ومظاہر کے ضمن میں اگر تحفظ قبور اور زیارت قبور کی بات نہ کی جائے تو گفتگو ادھوری رہ جاتی ہے، کیوں کہ قبر کا بھی ذات سے تعلق ہوتا ہے۔ جیسی ذات ہوگی اس کی قبر میں اور اس کی قبر سے ویسا ہی سلوک ہوگا۔ جنت کی کیاریوں میں ایک کیاری ہوگی یا پھر جہنم کے گڈھوں میں ایک گڈھا "انما القبر روضة من رياض الجنة او حفرة من حفر النار"۔ (۱۵)

ذرا رسول اللہ ﷺ کی اپنی قبر سے متعلق ان احادیث مبارکہ پر نظر ڈالیں:

مَنْ زَارَ قَبْرِىْ وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِىْ۔ (۱۶)

جس نے میری قبر کی زیارت کی اس پر میری شفاعت واجب ہوگئی۔

مَنْ زَارَ قَبْرِىْ بَعْدَ مَوْتِىْ كَانَ كَمَنْ زَارَنِىْ فِىْ حَيَاتِىْ۔ (۱۷)

جس نے میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی گویا اس نے

میری زندگی میں زیارت کی۔

امام دار قطنی، طبرانی اور ابن السبکی نے مذکورہ حدیث کو صحیح قرار دیتے ہوئے ان الفاظ میں روایت کیا:

مَنْ جَاءَ نِيْ زَائِرًالَا تَحْمِلُهُ حَاجَةٌ اِلَّا زَيَارَتِيْ كَانَ حَقاً عَلَيّ اَنْ اَكُوْنَ لَهُ شَفِيْعاًيَوْمَ الْقِيَامَةِ۔[18]

جو شخص صرف میری زیارت ہی کی نیت سے آئے تو واجب ہے کہ ہم قیامت میں اس کی شفاعت کریں۔

اللہ کے رسول ﷺ کی قبر انور کی زیارت جب عین سعادت ہے تو ان کے سچے غلاموں، ان کی اطاعت و پیروی کرنے والوں اور ان کے عشق و محبت میں جینے مرنے والوں کی قبروں کی زیارت بھی شرک نہیں ہو سکتی۔ ابتدائی زمانے کے سوا اسلامی تاریخ کا کوئی حصہ صالحین امت اور عامۃ المسلمین کی قبروں کی زیارت سے خالی نہیں دکھایا جا سکتا۔ ابتدائی دور کے بارے میں بھی یہ کہنا کہ مسلمانوں کا ایمان کمزور تھا اور شرک کا خدشہ تھا اس بنیاد پر انھیں زیارت قبور سے روکا گیا، میں سمجھتا ہوں کہ یہ صحابۂ کرام کی مقدس جماعت پر ایک بہت بڑا اتہام ہے۔ زیارت اہل ایمان کی قبروں کی ہوتی ہے اور اسلام کے آغاز میں کون سے مسلمان زیر زمین مدفون تھے کہ ان کی زیارت کی اجازت ہوتی۔ جہاں تک مزارات بنانے کے شرعی جواز کا تعلق ہے تو مخالفین خود کہتے ہیں کہ قرآن و حدیث میں نہ تو مزار سازی کا ذکر ہے اور نہ مزار شکنی کا۔ تو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ جس چیز کو قرآن و حدیث منع نہ کرے وہ مباح کے دائرے میں آتی ہے۔ اس کا کرنا نہ شرک ہو سکتا ہے اور نہ حرام۔ چونکہ کہ مزار سازی کے بارے میں قرآن و حدیث نے منع نہ فرمایا۔ لہٰذا مزارات کا تعمیر کرنا خود بخود جائز ہو جاتا ہے۔ بلکہ مزارات کی تعمیر تو اجماع امت سے ثابت ہے۔ روضۂ مصطفےٰ ﷺ سے لے کر ساری دنیا میں انبیا، اولیا اور صالحین امت کے مزارات کی خوبصورت عمارتیں اور تقویٰ شعار مسلمانوں کی ان سے والہانہ وابستگی ہی اس کے جواز کی دلیل اور شرعی حجت ہے۔

حضور ﷺ کا فرمان ہے:

"ما راه المسلمون حسناً فهو عند الله حسن"

یعنی مسلمانوں کی جماعت جسے اچھا سمجھے وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔

یہاں یہ بات بھی پیش نظر رکھنی چاہیے کہ تعمیر مزار کے بعد جب مسلمانوں کی عقیدت اس سے وابستہ ہو جائے تو اسے منہدم کرنا، دل آزاری کا باعث بھی ہے، اور مسلمانوں کی دل آزاری گناہ کبیرہ ہے۔ حضرت عارف رومی کیا ہی خوب فرماتے ہیں۔

دل بدست آور کہ حج اکبر است — از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است
کعبہ بنیاد خلیل آزر است — دل گزر گاہ جلیل اکبر است

علامہ سعد الدین تفتازانی اپنی کتاب "شرح عقائد نسفی" جو ہر مکتب فکر کی درسگاہوں میں پڑھائی جاتی ہیں، میں شرک کی تعریف یوں فرماتے ہیں کہ: کسی کو شریک ٹھہرانے سے مراد یہ ہے کہ مجوسیوں کی طرح اس کی کو الٰہ (خدا) اور واجب الوجود سمجھا جائے یا بت پرستوں کی طرح کسی کو عبادت کے لائق سمجھا جائے۔[19]

کسی عمل کے شرک ہونے کے لیے لازم ہے کہ وہ توحید کے معروف اقسام میں سے کسی کے مد مقابل آئے۔ قبروں کی زیارت تو اس بات کا صریح اعلان ہے کہ ہم کسی ایسی ہستی کی زیارت کر رہے ہیں جو اس دنیا میں زندہ نہ رہا۔ اللہ عزوجل کی ذات تو موت سے پاک ہے۔ وہ حیّ و قیوم ہے وہ ازل سے ہے ابد تک رہے گا۔ عام مسلمانوں اور بزرگوں کی قبروں پر جانا، فاتحہ پڑھنا، دعا دینا اور دعا لینا اس چیز کا اقرار ہے کہ یہ خدا نہیں یہ تو خدا کے بندے ہیں۔ اس سے شرک نہیں بلکہ توحید کو تقویت ملتی ہے۔

سمجھ میں نکتہ توحید آ تو سکتا ہے
تیرے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہیے

لیکن اب اس وہابی عقیدے کو کون سا نام دیا جائے کہ

تحريم زيارة قبرالنبى ﷺ على وجه مخصوص فى زمن مخصوص و كذالك زيارةكل قبر .[20]

یعنی نبی پاک ﷺ کی قبر پاک کی زیارت مخصوص زمانے اور طریقے پر حرام ہے اور اسی طرح تمام قبروں کی زیارت بھی حرام ہے۔

ان زيارة قبر النبى ﷺ والتوسل به و بالانبياء والاولياء والصالحين وزيارة قبورهم شرك۔[21]

یعنی نبی پاک ﷺ کی قبر پاک کی زیارت اور حضور ﷺ کا وسیلہ اور انبیا، اولیا اور صالحین کا وسیلہ اور ان کی قبر کی زیارت شرک ہے۔

ایسے نازک مواقع پر اس حدیث پاک کو ضرور پیش نظر رکھنا چاہیے:

اتخوف على امتى الشرك'قال:قلت: يا رسول الله اتشرك امتك من بعدك؟قال:نعم،قال:اما انهم لا يعبدون شمسا ولا قمرا ولا حجرا ولا وثنا، ولكن يراءون باعمالهم،[22]

یعنی اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ "میں اپنی امت پر شرک

اور چھپی خواہشات سے خوف کھاتا ہوں۔ حضرت شداد بن اوس کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا آپ کی امت آپ کے بعد شرک میں مبتلا ہوجائے گی؟ آپ نے فرمایا: ہاں! یاد رکھو! میری امت کے لوگ نہ تو سورج کو پوجیں گے اور نہ چاند کو اور نہ ہی پتھر کو اور نہ ہی بت پرستی کریں گے لیکن لوگوں کو دکھانے کے لیے نیک کام انجام دیں گے۔

آپ غور کریں کہ اللہ کے محبوب، دانائے غیوب ﷺ تو فرمارہے ہیں کہ مجھے اپنی امت سے شرک یعنی اللہ کو چھوڑ کر کسی غیر اللہ کو معبود بنالینے کا قطعی خوف و خدشہ نہیں، اور امتی ہونے کی دعویدار قوم اپنے نبی کے اتنے صاف اور واضح فرمان کے خلاف مسلمانوں کو مشرک کہنے میں لگی ہے۔ اسے دیدہ دلیری بھی کہتے ہیں اور ہٹ دھرمی بھی۔ اب فیصلہ آپ کے ہاتھوں میں ہے کہ آپ کو قول نبی چاہیے یا ہفوات وہابی؟

چند سال پہلے سابق لیبیائی صدر کرنل معمر قذافی کا ایک بڑا معقول بیان نظروں سے گذرا تھا کہ: اگر یہ معلوم ہوجائے کہ فاطمہ، عائشہ، عثمان اور یہ فلاں فلاں صحابہ کی قبریں ہیں تو اس میں ہمارا کیا نقصان ہے؟ انھوں نے کہا کہ جس وقت لوگ بت پرستی کرتے تھے تو کیا وہ اس لیے کرتے تھے کہ اس زمانے میں انبیا کی قبروں کے نشانات اور آثار باقی تھے اور ان کو ہی انھوں نے بتوں کی شکل دے دی تھی؟ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ ان کی بت پرستی تو ان کی ذہنی کیفیت کا نتیجہ تھا۔ اگر ہم اتنے کمزور ہیں کہ پیغمبر اسلام ﷺ، عائشہ اور عثمان کی قبریں دیکھتے ہی بت پرست ہوجائیں گے تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ نہ ہم مومن ہیں اور نہ اسلام میں داخل ہوئے ہیں۔ (۲۳)

لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ جوں ہی قبروں کی بات آتی ہے، جھٹ قبور توڑ، قبور شکن یا قبور اکرجک مجتہدین کی جماعت لَا تَجْعَلُوْا قَبْرِیْ عِیْداً یا لَا تَجْعَلُوْا قَبْرِیْ وَثَنًا یُعْبَدُ۔ جیسی حدیثیں پیش کرے گی، یعنی میری قبر کو عید نہ بناؤ یا میری قبر کو بت نہ بناؤ۔ یہ اور اس طرح کی ساری حدیثیں ان کے لیے اندھے کے ہاتھ میں لاٹھی کے مصداق ہیں محدثین کرام نے حدیث پاک لَا تَجْعَلُوْا قَبْرِی عِیْدًا کے کئی مطالب بیان فرمائے ہیں۔ ملا علی قاری مرقات میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ای لاتجعلوا زیارۃ قَبْرِیْ عِیْدًا اَوْ لَا تَجْعَلُوا قَبْرِیْ مَظْهَرَ عِيْدٍ فَاِنَّهٗ يَوْمُ لَهْوٍ وَسُرُوْرٍ وَحَالُ الزِّيَارَةِ خِلَافٌ. وَقِيْلَ يَحْتَمِلُ اَنْ يَّكُوْنَ الْمُرَادُ اَلْحَثُّ عَلٰى كَثْرَةِ زِيَارَةٍ وَلَا يُجْعَلُ كَالْعِيْدِ الَّذِيْ لَا يَأْتِيْ فِي الْعَامِّ اِلَّا مَرَّتَيْنِ. قَالَ الطِّيْبِيْ نَهَاهُمْ عَنِ الْاِجْتِمَاعِ لَهَا لِلْعِيْدِ نُزْهَةً وَكَانَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى تَفْعَلُ ذٰلِكَ بِقُبُوْرِ اَنْبِيَآئِهِمْ فَاَوْرَثَهُمُ الْغَفْلَةُ وَالْقَسْوَةُ. (۲۴)

یعنی میری قبر کی زیارت کو نمائش مت بناؤ یا میری قبر کو عید کا مظہر نہ بناؤ جو لہو ولعب اور سرور و کیف کی شکل میں ہوتا ہے اور زیارت کا حال لہو ولعب کے برعکس اور خلاف ہے۔ اس حدیث کے بارے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد کثرت زیارت پر ابھارنا ہے کہ میری قبر کو عید کی طرح مت بناؤ جو سال میں صرف دو مرتبہ آتی ہے۔

امام طیبی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی قبر پر ایسے اجتماع سے منع فرمایا ہے جو عید کے دن تفریحی اور زینت کے طور پر ہوا کرتا ہے اور جو یہود و نصاریٰ اپنے انبیا کی قبور پر کیا کرتے تھے، جس سے ان میں غفلت اور قساوت قلبی پیدا ہوئی۔

حضرت ملا علی قاری اور امام طیبی کی صراحت کے بعد یہ بات واضح ہوگئی کہ اس حدیث سے قبور شکنی، استمداد و استعانت اور قبروں پر حاضری کی قطعی ممانعت ثابت نہیں کی جاسکتی اور رہی یہ حدیث کہ " لَا تَجْعَلُوْا قَبْرِیْ وَثَنًا یُعْبَدُ" یعنی میری قبر کو بت نہ بناؤ کہ جس کی عبادت کی جائے اس کا معنی و مطلب صرف اتنا ہے کہ حضور نے اپنی عبادت سے روکا ہے اور ایک ادنیٰ ترین علم رکھنے والا مسلمان بھی حضور کی عبادت نہیں کرتا، بلکہ ان کو عون الٰہی کا مظہر سمجھ کر ہی استمداد و استعانت کرتا ہے جو اس حدیث کے خلاف نہیں۔ اس لیے جو لوگ اپنے فاسد عقائد و نظریات کو حدیث بنا کر یا اس حدیث کا معنیٰ و مفہوم بگاڑ کر پیش کرتے ہیں انھیں اس حدیث کو ضرور پیش نظر رکھنا چاہیے اور اللہ سے ڈرنا چاہیے:

فَمَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّا مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ (۲۵)

یعنی جس نے جان بوجھ کر میری جانب جھوٹ منسوب کیا اسے اپنا ٹھکانہ جہنم بنالینا چاہیے۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

يَاَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْماً غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوْامِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّرُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ (۲۶)

ترجمہ: اے ایمان والو! ایسے لوگوں سے دوستی نہ کرو جن پر اللہ تبارک و تعالیٰ کا غضب ہے۔ وہ آخرت سے مایوس ہوچکے ہیں۔ جس

طرح کافر قبر والوں سے مایوس ہو چکے ہیں۔

کفار کا عقیدہ تھا کہ جو لوگ مر کر مٹی ہو گئے ہیں، اب انھیں زندہ نہیں ہونا ہے۔ قرآن حکیم فرماتا ہے کہ وہ ان کی زندگی سے مایوس ہیں۔ اب اشارۃ النص سے یہ بات ثابت ہوئی کہ مسلمان ان کی زندگی سے مایوس نہیں ہیں کیوں کہ ارشادات نبوی کے مطابق وہ قبر میں یا تو انعام خداوندی سے لطف اندوز ہو رہے ہیں یا پھر عذاب خداوندی سے تڑپ رہے ہیں، دونوں صورتوں میں وہ زندہ ہیں اور زندوں کے پاس جانے سے قرآن مجید نے، سنت نے، اجماع امت نے، ائمہ مجتہدین نے اور عقل سلیم نے کہیں نہیں روکا ہے، تبھی تو سبھی لوگ زندوں کے پاس جاتے ہیں، تو جن کی زندگی اسلام کے نزدیک ثابت ہے، ان کے پاس کیوں نہ جایا جائے؟ کچھ آیات کے مفاہیم کو بدل کر نہ سننے کا ذکر اس لیے بے معنیٰ ہے کہ ان مردوں سے مراد وہ زندہ کافر ہے جو سنتے ہوئے نہیں جانتے۔ انھیں قرآن پاک نے بے بہرہ، بے عقل اور اندھا قرار دیا، مردہ فرمایا اور انھیں جانوروں سے بدتر کہا ہے۔ اس موضوع پر بیسوں آیات قرآن حکیم نے مختلف انداز میں بیان فرمائی ہیں۔

مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت جب زیر زمین مدفون ہو گئی تو پھر اللہ کے رسول ﷺ نے ان الفاظ میں عام مسلمانوں کو اپنے اہل خانہ کی قبروں پر بغرض زیارت جانے کی اجازت دی۔

"قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ قَدْ كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ فَقَدْ اُذِنَ لِمُحَمَّدٍ فِيْ زِيَارَةِ قَبْرِ اُمِّهٖ فَزُرُوْهَا فَاِنَّهَا تُذَكِّرُ الْاٰخِرَةَ." (۲۷)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں تمھیں قبروں کی زیارت سے روکا کرتا تھا، بے شک محمد (ﷺ) کو اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت دے دی گئی ہے اب تم بھی قبروں کی زیارت کیا کرو، کہ یہ آخرت کی یاد دلاتی ہے۔ یہ اور اس طرح کی متعدّد حدیثیں مختلف کتب احادیث میں مختلف طرق اور اسانید کے ساتھ موجود ہیں۔ لیکن ہم یہاں صرف ایک حدیث صحیح بخاری کے حوالے سے نذر قارئین کرتے ہیں۔ جس سے بہت ساری چیزوں کے ساتھ یہ بھی پتہ چلے گا کہ اللہ کے رسول نے صرف زیارت قبور کی اجازت ہی نہیں دی، بلکہ خود بھی قبروں کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے ہیں یعنی زیارت قبور بدعت نہیں، بلکہ عین سنت ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک دن نکلے تو شہدائے احد کے لیے نماز پڑھی جس طرح مردوں پر نماز پڑھی جاتی ہے۔ (یا دعا کی جس طرح عام میت پر دعا کی جاتی ہے) پھر منبر کی طرف آئے اور فرمایا میں تمھارا پیش رو ہوں، میں تم پر گواہ ہوں، میں اپنے حوض کو اس وقت دیکھ رہا ہوں، مجھے زمین کے خزانے کی کنجیاں دی گئی ہیں، بخدا مجھے اس بات کا ڈر نہیں کہ تم شرک کرنے لگو گے لیکن مجھے تمھارے حصول دنیا میں ایک دوسرے سے مقابلے کا اندیشہ ہے۔ حدیث پاک کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں۔

عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ خَرَجَ يَوْمًا فَصَلّٰى عَلٰى اَهْلِ اُحُدٍ صَلٰوتَهٗ عَلَى الْمَيِّتِ ثُمَّ انْصَرَفَ اِلَى الْمِنْبَرِ فَقَالَ اِنِّيْ فَرَطٌ لَّكُمْ فَاَنَا شَهِيْدٌ عَلَيْكُمْ وَاِنِّيْ وَاللّٰهِ لَاَنْظُرُ عَلٰى حَوْضِيْ الْاٰنَ وَاِنِّيْ اُعْطِيْتُ مَفَاتِيْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ اَوْ مَفَاتِيْحَ الْاَرْضِ وَاِنِّيْ وَاللّٰهِ مَااَخَافُ عَلَيْكُمْ اَنْ تُشْرِكُوْ بَعْدِيْ وَلٰكِنْ اَخَافُ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنَافَسُوْا فِيْهَا. (۲۸)

اس حدیث مبارک سے چند چیزوں کا پتہ چلتا ہے۔

(۱) قبروں کی زیارت کے لیے سفر، وہ بھی ایک جماعت کے ساتھ نبی پاک ﷺ کی سنت ہے۔

(۲) آپ نے قبروں پر نماز پڑھی یا دعا کی بہر حال دونوں چیزیں عبادت ہیں۔ اگر نماز پڑھی جا سکتی ہے تو قبر پر دعا بھی کی جا سکتی ہے۔

(۳) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو اپنی امت کے سارے احوال واعمال کی خبر ہے۔ نفی کی صورت میں گواہ اور گواہی کا کوئی مطلب نہیں رہ جاتا اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ زمین کے سارے خزانے کی کنجیاں آپ کے ہی ہاتھوں میں ہیں اور آپ ﷺ امت کے مزاج وطبیعت اور ان کے ظرف کے مطابق عطا فرماتے ہیں۔ اس لیے ہر قسم اور ہر طرح کے طلب گاروں کو بارگاہ مصطفی میں دامن پھیلانا ہوگا۔ اعلیٰ حضرت مولانا الشاہ احمد رضا خان علیہ الرحمۃ والرضوان کیا ہی خوب اس کی ترجمانی کرتے ہیں۔

بے ان کے واسطے کے خدا کچھ عطا کرے
حاشا غلط غلط یہ ہوس بے بصر کی ہے

(۴) حدیث کا آخری ٹکڑا مسلمانوں کو مشرک کہنے والے نام نہاد موحدین کے لیے تازیانۂ عبرت ہے کہ "بخدا مجھے اس بات کا ڈر نہیں کہ تم شرک کرنے لگو گے" ذرا حدیث کا تیور ملاحظہ فرمائیں:

"وَاللّٰهِ مَااَخَافُ عَلَيْكُمْ اَنْ تُشْرِكُوْ بَعْدِيْ"

نبی تو مسلمانوں سے شرک کا اندیشہ بھی نہ رکھیں اور یہ امتی پورے "سوادِ اعظم" یعنی ساری دنیا کے مسلمانوں کی سب سے بڑی جماعت "اہل سنت" کو انتہائی ڈھٹائی اور بے باکی کے ساتھ مشرک کہیں۔ کیوں؟ اس لیے کہ ان کا جرم یہ ہے کہ وہ بزرگان دین کے آستانوں پر حاضری دیتے ہیں۔ اسلاف کی نشانیوں کی تعظیم کرتے ہیں۔ ان کی قبروں کی زیارت کو باعث برکت سمجھتے ہیں۔ "صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ" کی اعتقاداً اور عملاً تصدیق کرتے ہیں۔ فرامین خدا و مصطفیٰ کے مطابق انھیں نشان راہ منزل بناتے ہیں۔ اب فیصلہ آپ کے ہاتھوں میں ہے کہ آپ ان وہابیوں کی بات مانتے ہیں یا اللہ کے رسول ﷺ کے فرامین و سنت کی پیروی کرتے ہیں۔

حکیم الامت ڈاکٹر اقبال ارمغان حجاز میں عبد العزیز ابن سعود سے یوں خطاب فرماتے ہیں۔

تو ہم آں می بگیر از ساغر دوست
کہ باشی تا ابد اندر بر دوست
سجود نیست اے عبد العزیز ایں
بر ویم از مژہ خاک در دوست

پروفیسر یوسف سلیم چشتی اس شعر کی تشریح میں لکھتے ہیں:

چوں کہ نجدی وہابی سرکار دو عالم ﷺ سے محبت نہیں کرتے اس لیے اقبال نے سچے عاشق رسول کی حیثیت سے سلطان ابن مسعود کو عشق رسول کا پیغام دیا ہے اور نجدیوں کے اس اعتراض کا کہ اہل سنت حضور کے روضۂ مبارکہ کو سجدہ کرتے ہیں، جواب دیا ہے کہ اے عبد العزیز جسے تو اپنے کم فہمی کی بنا پر سجدہ سے تعبیر کرتا ہے یہ سجدہ نہیں ہے، میں تو اپنے محبوب کے در پہ پلکوں سے جھاڑو دے رہا ہوں۔ (۲۹)

ایک دوسری جگہ علامہ اقبال ابن سعود کی توحید پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

تو سلطان حجازی من فقیرم — ولے در کشور معنی امیرم
جہانے کوز تخم لا الہ است — بیا بنگر بآغوش ضمیرم

یعنی اے ابن سعود تو نجد و حجاز کا حکمران ہے اور میں تیرے سامنے اگرچہ فقیر ہوں لیکن جہاں تک اسلام کی حقیقت سے آگاہی کا سوال ہے تو میرے سامنے تو فقیر ہے اور میں امیر ہوں۔ وہ جہاں جو توحید الٰہی کے عقیدہ اور اس کے اقتضا سے پیدا ہوتا ہے، میرے دل میں بخوبی جلوہ گر ہے۔ علامہ کا یہ شعر بھی اسی طرف بڑے لطیف پیرائے میں اشارہ کرتا ہے۔

بزرگان دین کے مزارات مسلمانوں کے تابناک ماضی، روشن اوراق اور درخشندہ بیک گراؤنڈ ہیں۔ اس لیے یہاں تو ہر اس شخص کو جسے دعوئ اسلام ہے، توسل و استغاثہ، استفاضۂ فیض، قبولیت دعا کا عقیدہ اور عقیدتوں کا خراج لے کر اللہ کی جانب سے عطا کردہ ان کی شان دیکھنے کے لیے ضرور آنا چاہیے۔

پروفیسر مسعود احمد مظہری مجددی لکھتے ہیں:

بزرگان دین کے مقابر تو تبلیغ اسلام کے بہترین گہوارہ رہے ہیں۔ سوویت روس میں برسوں اسلام پر پابندی رہی مگر جبر و استبداد کے اس دور میں انھیں تبلیغی مراکز سے مسلمانوں کی وابستگی نے انھیں زندہ رکھا۔ برسوں بعد جب روس کا اشتراکی نظام تار عنکبوت کی طرح بکھر گیا تو مسلمان اسی ایمانی حرارت اور فکر و نظر کے ساتھ ابھرے۔ جس حرارت ایمانی اور فکر و نظر کے ساتھ انھیں دبایا گیا تھا۔ (۳۰)

رحمت عالم ﷺ نے بیت اللہ شریف سے بتوں کو نکالا تصویروں کو مٹایا مگر اس اللہ کے گھر کو ہاتھ نہ لگایا۔ دوسری طرف مسجد ضرار کو توڑنے کا حکم دیا۔ آپ کے اس عمل سے اصول ملا کہ جس چیز کی بنیاد ہی خیر پر ہو اور اس کو بدی کا مرکز بنا لیا گیا ہو تو وہاں سے بدی کو دور کر دیا جائے، خیر کو نہ مٹایا جائے اور جس چیز کی بنیاد ہی شر پر ہو اور بظاہر وہ خیر کا مرکز ہو اسے ڈھا کر برابر کر دیا جائے۔

حکومت سعودیہ نے ۱۹۷۶ء میں ادارۃ الاثار قائم کیا اور خیبر میں یہودیوں کے آثار "العلاء" میں قوم ثمود کو محفوظ کیا گیا ہے۔ سوال یہ ہے کہ مغضوبوں کے آثار تو محفوظ کیے جائیں اور محبوبوں کے آثار نیست و نابود کیے جائیں طُرفہ تماشا تو یہ ہے کہ ایک جانب صحابۂ کرام اور صالحین امت کی قبریں منہدم کی جا رہی ہیں لیکن دوسری طرف دمشق میں ابن تیمیہ کی، بالاکوٹ میں اسمٰعیل دہلوی کی، بھوپال میں نواب صدیق حسن خان بھوپالی کی پختہ اور اونچی قبر مع تعارفی کتبہ کے موجود ہیں اور ان کی طرف دنیائے وہابیت کا کوئی فرد نظر کج بھی نہیں ڈالتا۔ وہابی دہشت گردوں کے ذریعہ داعیان اسلام اور شان اسلام کے مزارات کے انہدام پر مجرمانہ خاموشی اختیار کرنے والے، ہندو دہشت گردوں کے ذریعہ اپنے عالم و پیشوا مولانا اشرف علی تھانوی کی قبر کی مسماری پر آسمان سر پر اٹھا لیتے ہیں۔ آخر کیوں؟ کیا یہ منافقت اور دوہری پالیسی نہیں ہے۔

گر مسلمانی ہمیں ست کہ حافظ دارد — وائے گر پس امروز بود فردائے

(باقی ص: ۳۸ پر)

نقش حیات

ابوالکلام آزاد کے والد

مولانا خیر الدین خیوری دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (متوفی ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء)

اور ۱۲۰ سال بعد اُن کے رسائل کی مکرر اشاعت

محمد رضاء الحسن قادری

قبل اِس کے کہ صاحبِ تذکرہ کے احوال وافضال قرطاس کی نذر کیے جائیں ایک تمہید بیان کرنی مناسب ہے، جس سے شخصیت کی اہمیت مزید عیاں ہوجائے گی اور اِس تذکرہ کے لکھنے کی ضرورت بھی واضح ہوگی۔

مولانا خیر الدین دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا نام تو سبھی جانتے ہوں گے، اُن کے چند کارہائے نمایاں سے بھی واقف ہوں گے، اُن کی ایک آدھ کتاب کو بھی نام سے جانتے ہوں گے، ان کے بعض عقائد و معمولات کا تذکرہ بھی کئی بار سنا ہو گا، اُن کے محبوب مشغلۂ ردِ وہابیت کا تو بچے بچے کو علم ہے... بس یہ ہمارے ہاں مولانا کی شخصیت پر حرفِ آخر ہے۔ افسوس کہ سال ہا سال بیت گئے لیکن مولانا دہلوی کا تعارُف اِس سے آگے نہیں بڑھ سکا!! اُن کی وفات کو ایک صدی سے زیادہ کا عرصہ ہو چکا مگر اُن کی کوئی ایک بھی مکمل تصنیف دوبارہ نہیں چھپ سکی۔

کیا کسی شخصیت کے تعارُف کے لیے اِتنا کافی ہے کہ فخر و مباہات کے لیے جذبات انگیز لہجے میں اُن کے قصے سنا دیے جائیں! عوامی محافل میں منابر پر براجمان ہو کر کچھ سنے سنائے واقعات کو دُہرا دیا جائے!! نجی مجالس میں انھی بعض باتوں کو بیان کرنے کا اِہتمام کیا جائے جنھیں سن کر کان تھک چکے ہوں!!!... اور اِس سے آگے کوئی حرکت نہ ہو!!!!

وقت کے ساتھ ساتھ مولانا خیر الدین دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ساتھ جو ناانصافیاں ہوئی ہیں اُن میں سب سے بڑی ناانصافی اُن کے سوانح زندگی سے اِغماض ہے۔ اِس دور میں ابوالکلام آزاد پر ری سرچ کرنے والے سب سے بڑے محقق ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری (ڈائریکٹر ابوالکلام آزادری سرچ انسٹی ٹیوٹ، کراچی) اِس بارے میں رقم طراز ہیں:

''اِس بات کا مجھے ایک بار نہیں، کئی بار خیال آیا، لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ آپ بھی غور فرمائیے!

ان کے خاندان کی تاریخ موجود ہے، لیکن ان کے قریبی بزرگ چچا، تایا ۱۸۵۷ء سے بہت پہلے حجاز ہجرت کر گئے تھے۔ ان کے والد اور والدہ کا ان کی تین چار برس کی عمر میں اِنتقال ہو گیا تھا اور ان کی پرورش اور تعلیم و تربیت ان کے نانا حضرت منور الدین نے کی تھی جو شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے تلامذہ میں سے تھے، مفتی صدر الدین آزردہؔ کے نہایت قریب و عزیز دوستوں اور شرکاے درس میں سے تھے، حضرت علامہ فضل حق خیر آبادی کے نہایت قریبی دوستوں میں سے تھے۔ نیز یہ کہ شاہ اسمٰعیل دہلوی کے حریفِ بذلہ تھے۔ دہلی میں ان کی شادی ہوئی، ان کی اولاد تھی، ان کا اپنا گھر، اپنے پیچھے چھوڑے خاندان کے باقیات کو قصور جا کر دہلی لائے تھے اور اپنے ساتھ انھیں آباد کیا تھا۔ ان کے حالات، تذکار اور تاریخ کہاں ہے؟

ہمارے موضوع علیہ بزرگ حضرت علامہ مولانا خیر الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ۱۸۳۱ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کا ایک گھر تھا، محلہ تھا، گلی کوچے تھے، اس میں بیسیوں بچے تھے، جن کے ساتھ وہ کھیلے ہوں، عمر کا ایک حصہ ان کے ساتھ گزارا ہو، وہاں کے مکتب میں پڑھا ہو گا، ان کے شریک درس طالب علم ہوں گے اور بہ سلسلہ اعلیٰ درجات اور فراغت علمی کا ایک مقام حاصل کیا ہو گا۔ وہ سب کہاں گئے؟ آیا اس کا کوئی سراغ ملتا ہے؟ حضرت جب دہلی سے اپنے نانا کے ساتھ حجاز کے لیے عازمِ سفر ہجرت ہوئے ہوں تو وہ ۲۶، ۲۷ برس کے نوجوان ہوں گے اور فراغت تعلیم کے بعد انھوں نے ۵، ۶ برس لازماً عیش و فراغت یا عملی زندگی ہوگی۔ آیا اس کی کوئی تاریخ ہے؟ اگر نہیں تو حضرت مولانا خیرا لدین کے عقیدت مندوں اور محی الدین ابو الکلام آزاد دہلوی کے شیدائیوں کے لیے بھی بہت بڑی چنوتی ہے جو ان سے جواب طلب کرتی ہے۔،، (حضرت شیخ خیر الدین دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ؛ ایک عجیب بات: رسائل مولانا خیر الدین دہلوی)

راجا رشید محمود (صدرِ ایوانِ نعت رجسٹرڈ/ایڈیٹر ماہ نامہ نعت، لاہور) نے اِس کوتاہی کا زیادہ تر ذمہ دار خود اُن کے صاحب زادے محی الدین ابو

الکلام احمد آزاد کو ٹھہرایا ہے۔ اُن کی تحریر کا ایک طویل لیکن دل چسپ اور پُر مغز اقتباس درج کیا جاتا ہے جو اُنھوں نے تمام معاملے کا جائزہ لینے کے بعد حاصلِ بحث کے طور پر لکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

"مولانا خیر الدین خیوری دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ برِعظیم پاک و ہند کی مظلوم ترین شخصیتوں میں سے ہیں۔ ان کا تبحر علمی، درس و تدریس اور وعظ و تذکیر میں ان کی مخلصانہ کاوشیں، مختلف علوم میں ان کی منتہیانہ حیثیت، تصنیف و تالیف میں ان کی نمایاں کارکردگی، علم و دانش اور تبلیغ و فروغ شعائرِ دینی کے لیے مختلف ممالک میں ان کے اسفار ان میں کون سی ایسی عادت یا کوشش تھی کہ ان کے حالات کو پردۂ اخفا میں رکھا جاتا۔ اگر اولاد میں سے کوئی غیر معمولی ذہانت و ذکاوت کا حامل تھا اور بہ وجوہ اپنے والد سے مختلف راستے کا راہی بنا تو کیا اس کے لیے یہ بھی ضروری ٹھہرا کہ وہ اپنے والد کے حالات نہ لکھے، خود کو شاعر کہلوانے کے شوق میں والد کی شاعری ہی کو تسلیم نہ کرے۔ اور پھر، والد کی دین سے گہری وابستگی اور محبت کی دشمنی میں ہندوئوں کا تابعِ مہمل بن جائے۔ والد کا دینی تشخص اور علمی تخصص اسے غیر مسلموں کو منبر رسول ﷺ پر بٹھانے، ان سے مدرسوں، مسجدوں کا افتتاح کروانے اور انھیں خوش کرنے کے لیے تفسیری ،،اجتہاد،، پر اُکسائے۔ اسے اپنے والد کی محبتِ رسول ﷺ، تحفظِ ناموسِ رسالت کی کوششوں سے ناپسندیدگی اس کے مخالف جادے پر گام زن کر دے، یہ کیا کہ والد اگر اپنے آقا و مولا حضور رسولِ اکرم ﷺ کی شان کے خلاف کوئی فقرہ، لفظ یا شوشہ برداشت نہ کرنے کی غیرتِ ایمانی رکھتا ہو تو بیٹا قادیانیوں سے ربط ضبط قائم کر لے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اولاد بعض اوقات اپنے ماں باپ کی راہ سے الگ یا مختلف راہ بھی اپنا لیتی ہے اور اس کے لیے کوئی مذہبی، سیاسی یا اخلاقی جواز بھی رکھتی ہے یا تلاش کر لیتی ہے۔ بعض ناخلف اپنے والدین سے دشمنی کی حد تک بھی چلے جاتے ہیں لیکن اِس مخاصمت کی مثالیں کم ملتی ہیں کہ کوئی دین ہی کی نئی تعبیر کر دے یا اسلام اور پیغمبرِ اسلام علیہ الصلوٰۃ و السلام کی عزت و ناموس ہی کو داؤ پر لگا دے۔

ابوالکلام مولانا خیر الدین کی دین سے محبت و عقیدت سے یوں نفور ہوئے کہ ہندو مسلم اتحاد سے آگے بڑھ کر متحدہ قومیت کے پرچارک بن گئے۔ حضور رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے بعد نبوت کا دعویٰ کرنے والے میرزا غلام احمد قادیانی کے بارے میں اچھے خیالات کا اظہار کرنے لگے، اس کے جنازے میں شریک ہوئے، قادیان میں ان کے پیچھے نماز پڑھی۔ ہندوئوں کو خوش کرنے کے لیے ،،رنگیلا رسول،، قسم کی کتابوں کی اشاعت پر مسلمانوں کو غیرت و حمیت کا مظاہرہ نہ کرنے کی تلقین کی... اور پتا نہیں کیا کیا۔

مولانا خیر الدین تصوف کے داعی تھے، پیر طریقت تھے، ان کی حضورِ پر نور ﷺ سے محبت واضح ہے، تبلیغ دین میں ان کی کاوشیں سامنے ہیں، انھوں نے حضور فخرِ موجودات باعثِ ظہورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ و السلام کے آبا و اُمہات کے ایمان پر دلائل وہ براہین سے پُر کتاب لکھی، وہابیوں کے خلاف تصنیف و تالیف اور زبان و بیان کے ذریعے آواز اٹھائی، ناموسِ صحابہ اور ناموسِ اہل بیت کی حفاظت کے لیے کار روائیاں کیں، حرمِ کعبہ میں وعظ کرتے رہے، قرآنِ مجید کے معارف و غوامض پر سال ہا سال درس دیا، شاید نقش بندی سلسلے کے مجاز تھے لیکن وحدت الوجود کا پرچار بھی کرتے رہے۔ کسی کو ان سے مسلک یا کسی موضوع کے اعتبار سے اختلاف ہو تو اس کا اظہار کیا جا سکتا ہے، لیکن ان کے تذکرے ہی سے اغماض کا کیا جواز ہے۔ کچھ لوگوں نے ابوالکلام پر لکھتے ہوئے چند سطروں یا چند پیروں میں ان کی بات کی ہے۔ اسی طرح جہاں مجبوری آن پڑی ہے، وہاں ابوالکلام نے بھی اچھا یا بُرا، ان کا ذکر کیا ہے، لیکن ان کے کچھ حالات سب سے پہلے پروفیسر سیّد شفقت رضوی نے خاندانِ ابوالکلام کے حوالے سے بیان کیے۔ اور اب راقم الحروف نے ان کی نعت گوئی کو سامنے لانے کی نیت سے کام کیا ہے۔ ربِّ کریم ان کی دین، شعائرِ دین اور سرکارِ ابد قرار ﷺ سے محبت و عقیدت کو قبول فرمائے اور ان کی خامیوں، غلطیوں سے درگزر فرمائے۔

ابوالکلام کو جتنی والہانہ محبت ہندوؤں، ہندو ازم اور قادیانیوں سے تھی، کاش اس کا دس واں بیس واں حصہ اپنے والد سے ہوتی!!!!

(ماہ نامہ ،،نعت،،، لاہور: مولانا خیر الدین اور اُن کی نعت گوئی، جلد ۱۸ شمارہ ۲، فروری ۲۰۰۵ء، ص ۱۰۷-۸،)

یہ ہے معاملہ کی صحیح صحیح صورتِ حال۔ اِس سے جہاں یہ اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا خیر الدین دہلوی پر کام ہونا کیوں اور کتنا ضروری ہے وہاں ابوالکلام آزاد اور اُن کے والد کے کردار کا فکری و شخصی موازنہ بھی سامنے آجاتا ہے۔ نیز ابوالکلام آزاد کے اپنے والد سے ناروا طرزِ عمل کا پردہ بھی فاش ہو جاتا ہے۔

تو نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ مولانا خیر الدین پر دو وجہ سے کام ہونا نہایت ضروری ہے:

ایک تو خود اُن کے ذاتی مقام و مرتبہ کے لحاظ سے۔

دوسرا اُن کی فکر کو قبول کرنے والوں نے بہ وجہ غفلت اور اُنھیں تسلیم نہ کرنے والوں نے بہ کوشش مخفی رکھا ہے۔

اِسی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے محترم راجا رشید محمود صاحب نے پہلی مرتبہ مولانا خیر الدین کی زندگی پر قلم اُٹھایا اور پوری دقت و تحقیق کے ساتھ اُن کے سوانح حیات کو وقیع طور پر جمع کیا ہے، نیز اُن کی نعت گوئی کی جہات پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ یہ کام واقعی قابل قدر ہے جو ۲۰۰۵ء میں سامنے آیا۔ اِس سے پہلے ۲۰۰۲ء میں عزت مآب ڈاکٹر اسحٰق قریشی نے ان کی عربی نعتیہ شاعری پر اپنے پی ایچ۔ ڈی مقالے ،، برصغیر پاک و ہند میں عربی نعتیہ شاعری ،، میں مفصل مقالہ پیش کیا تھا۔ اور اب ۲۰۱۳ء میں اللہ عزوجل کی توفیق سے دارُ الاسلام، لاہور (پاکستان) نے ۱۱۹ سال بعد اُن کے چار رسائل کا مجموعہ شائع کر دیا ہے۔ یہ کیسا دل نشیں اِتفاق ہے کہ یہ صدی بہ مقابلہ پچھلی صدی کے مولانا خیر الدین کے لیے بہت بہتر ثابت ہوئی۔ اس پر طرہ یہ کہ روایت کے علی الرغم حضرت مولانا کو متعارف کرانے اور ان کے افکار و آثار کے اِحیا کا اِعزاز و اِکرام اِس بار اُس طبقے کے حصے آیا ہے جو اپنی شخصیات کو نسیا منسیا کرنے میں سب سے زیادہ ماہر اور مشہور ہیں۔ والحمد للّٰہ علٰی ذٰلک۔

ذیل میں سب سے پہلے مولانا خیر الدین کے مختصر حالات اور پھر ان رسائل کی اِشاعت کے حوالے سے کچھ باتیں شاملِ مضمون کی جائیں گی۔ پڑھیے اور اپنی رائے سے آگاہ کیجیے!

مختصر حالاتِ زندگی

خاندانی شرف: حضرت شیخ خیر الدین دہلوی، صدیقی النسب تھے اور ہند و حجاز کے تین ممتاز علمی گھرانوں سے تعلق رکھتے تھے:

۱- آپ کے والد شیخ محمد ہادی دہلی کے ایک مشہور خاندانِ علم و فضیلت سے تعلق رکھتے تھے، جس میں بہ یک وقت پانچ پانچ علمائے درس و اِفتا و اصحابِ سلوک و طریقت پیدا ہوئے ہیں۔

۲- نانا رُکن المدرّسین مولانا منور الدین دہلوی اپنے عہد کے مشاہیر اساتذۂ علم و درس اور اصحابِ طریقت و سلوک میں سے تھے اور اُن مخصوص اصحابِ کمال میں سے تھے جن کو اللہ تعالیٰ علومِ ظاہر و باطن کی جامعیت عطا فرماتا ہے۔[1]

۳- ماموں سسر مفتیِ مدینہ منورہ شیخ محمد بن ظاہر وتری جو گزشتہ دور کے اکثر علمائے حجاز کے اُستاذِ حدیث اور شیخ عبد اللہ سراج کے بعد مکہ معظّمہ کے آخری محدث تھے۔ ان کے بعد اس درجے کا کوئی شیخ الحدیث حرَمین میں پیدا نہیں ہوا۔ (تذکرہ: ابو الکلام آزاد، مرتبہ مالک رام، ص ۲۵-۶، اِسلامک پبلشنگ ہاؤس، لاہور)

پیدائش، تربیت، تعلیم: آپ کی پیدائش ۱۲۴۷ھ/۱۸۳۱ء میں بہ مقام دہلی ہوئی۔ ابھی آپ عمر کے چوتھے سال میں پہنچے ہوں گے کہ والد کا اِنتقال ہو گیا، کچھ ہی عرصہ کے بعد والدہ بھی رحلت کر گئیں۔ چناں چہ آپ کی تمام تر پرورش اور تعلیم و تربیت اپنے نانا کے زیر نگرانی ہوئی۔ مولانا منور الدین کے اپنے وقت کے جید علما سے گہرے مراسم تھے، لہٰذا الاڈلے نواسے کو ہر چشمۂ علم و حکمت سے آبِ فیض پینے کا شرف حاصل رہا۔ مولانا منور الدین دہلوی (متوفی ۱۲۷۵-۶ھ/۱۸۵۸-۹ء) کے علاوہ صدر الصدور دہلی مفتی محمد صدر الدین خان آزردہؔ (متوفی ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۸ء)، اِمامِ حکمت و کلام علامہ محمد فضل حق خیر آبادی (متوفی ۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء)، شاہ محمد یعقوب دہلوی (متوفی ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۶ء)، شاہ محمد حلیم بلگرامی، مولوی محمد کریم (لال کوئیں والے)، مولوی محمد عمر، مولانا رشید الدین کے درِ دولت سے آپ نے علم کی خیرات پائی۔ نیز شیخ عبد اللہ سراج، شیخ محمد بن ظاہر وتری اور چند علمائے حجاز سے بھی درس لیا۔

مشاغل: مولانا خیر الدین نے بعض مردانہ ورزشیں اور تفریحی فنون بھی سیکھے۔ مثلاً پنجہ کشی میر پنجہ کش سے، تیراکی میر مچھلی سے، تیر اندازی قلعہ معلی ہی کے ایک اُستاد سے، اِسی طرح کشتی لڑنا سیکھا۔ تب حافظ امام بخش خط نسخ کے امام تھے، ان سے خوش نویسی سیکھی۔ نشانہ اندازی، شمشیر زنی اور لکڑی کے فنون بھی سیکھے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ آخری وقت تک ان کا بدن کسرتی رہا۔

(ابو الکلام آزاد: شورش کاشمیری، ص ۱۴، مطبوعاتِ چٹان، لاہور ۱۹۹۹ء)

شادی، اولاد: مولانا خیر الدین نے سن ستاون کی جنگ آزادی کے بعد حجاز کو ہجرت کی اُس وقت جب کہ آپ کے نانا کا اِنتقال ہوا۔ ہجرت کے ۱۰ سال بعد ۱۸۷۰-۱ء میں آپ کی شادی مدینہ منورہ میں شیخ محمد بن ظاہر وتری کی بھانجی زینب (متوفی ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۹ء) سے ہوئی جس کے بعد آپ نے مکہ مکرمہ کی شہریت اِختیار کر لی۔ اولاد میں تین بیٹیاں خدیجہ بیگم، فاطمہ بیگم آرزوؔ (متوفی ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۶ء)، حنیفہ بیگم آبروؔ (متوفی ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء) اور دو بیٹے ابو النصر غلامِ یٰسین آہؔ دہلوی (متوفی ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء) اور (محی الدین فیروز بخت) ابو الکلام احمد آزادؔ دہلوی (متوفی ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۸ء) تھے۔

حرمِ مکہ میں درس: کچھ عرصہ حرمِ مکہ میں درس دیتے رہے، ان سے پہلے کسی ہندوستانی کو یہ شرف حاصل نہ ہوا تھا۔

(ابوالکلام آزاد: شورش کاشمیری، ص ۱۴)

ممالک اسلامیہ کے دورے: ۱۸۹۴ء میں کلکتہ آگئے اور یہیں کے ہو کر رہ گئے۔ ہندوستان آمد سے پہلے اور بعد آپ نے (قونیہ، قسطنطنیہ) ترکی، (قاہرہ) مصر، (بغداد) عراق اور دیارِ شام تا ایشیائے کوچک و جزیرۃ العرب کے طول و عرض میں کئی دورے کیے، کہیں کچھ ماہ، کہیں کچھ سال قیام کیا۔ وہ خلافت کا دورِ عظیم تھا۔ خلیفۂ وقت اور شریف مکہ عبد المطلب دونوں کے آپ معتمد تھے۔ حتیٰ کہ سلطان اور شریف کے آپس میں جب ناراضی ہوئی تو سلطان نے اِس تعلق سے بعض واقعات کی تصدیق میں مولانا خیر الدین سے مدد چاہی۔ سلطان نے مولانا خیر الدین کو "تمغۂ حمیدی" سے بھی نوازا۔ دوسرے اعلیٰ حکومتی عہدہ داروں میں بھی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

پیری مریدی: جن علاقوں میں آپ قیام کرتے وہاں کے لوگ کثرت سے آپ کے مرید ہو جایا کرتے تھے۔ عرب ممالک کے علاوہ ہندوستان کے ہر بڑے شہر خصوصاً دہلی، بھوپال، بمبئی، کاٹھیاواڑ، گجرات، رنگون، کلکتہ میں ان کے بہت زیادہ مریدین موجود تھے۔ کلکتہ میں باوجود ضعیف العمری اور بیماری کے رُشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رکھا۔ وہاں آپ کے مریدوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ چکی تھی۔ اس زمانے میں ایک ایک مجلس میں پانچ سو یا ہزار آدمی مرید ہوتے۔

تصانیف: آپ کی تصنیفات کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱) نجم المبین لرجم الشیاطین (عشر مجلدات. اشهر مشاهیر تصانیف الخیوری و اکبرها فی الرد علی الوهابیة) (۲) البصائر العشرة الجلیة لناظری الجزء الاول من العقائد الخیوریة (۳) درج الدرر البهیة فی ایمان الآباء و الامهات المصطفویة المعروف بالعقائد الخیوریة (۸۰ جز) (٤) خیر الامصار مدینة الانصار (٥) الستة الضروریه فی المعارف الخیوریه (٦) حفظ المتین عن لصوص الدین (۷) اسباب السرور لاصحاب الخیور (۸) الاوراد الخیوریة سلالة الادعیة الماثوریة (۹) تبیان عقائد الفریقین من اهل الحب والبغض فی الدارین (۱۰) سراج منیر ترجمہ تبصیر الضریر (۱۱) تقلید کی بابت رسالہ (۱۲) خضر سے متعلق مقالہ (۱۳) قصائد نعتیہ و مدحیہ و مقامات (۱٤) ترکی صرف و نحو (۱٥) عربی، فارسی، ترکی لغت (حرف ،فا، تک) (۱٦) ردِ نذیر حسین دہلوی (۱۷) مفصل خاندانی حالات

رد وھابیت: مولانا خیر الدین دہلوی وہابیہ کے رد کرنے میں بڑے مشہور تھے۔ اگر ایک جامع جملے میں اُن کی تمام شہرت کو سمیٹنا چاہیں تو وہ یوں ہو گا کہ ابوالکلام آزاد نے اپنی ساری زندگی میں وہابیت کی اِتنی حمایت نہیں کی ہو گی جتنی مولانا خیر الدین نے اُن کی مخالفت کی۔ درونِ خانہ گفت گو ہو کہ وعظ بر سرِ منبر، مناظرہ کی بزم ہو یا تحریر کا میدان اُن کا موضوعِ سخن ردِ وہابیت ہوتا، عوامی اسٹیج ہو یا پھر حکومتی ایوان مولانا خیر الدین نے وہابیوں کی اصلیت ظاہر کرنے سے باز نہ آتے۔ حجاز میں اُنھوں نے وہابیت کے خلاف محاذ کھولا اور اِس سلسلے میں بڑے بڑے تنازعات سے گزر گئے۔ شریفِ مکہ نے ہندوستانی اکابرِ وہابیہ کو ۳۹، ۳۹ کوڑے لگانے کا حکم آپ کے کہنے پر دیا، آپ ہی کی بہ دولت اُن کا وہاں رہنا ناممکن ہو گیا۔ قسطنطنیہ کے عوام کو وہابیوں کے باطل عقائد کا شعور دیا اور انھیں اُن کی مخالفت پر کمر بستہ کیا۔ ہندوستان میں جتنا عرصہ ٹھہرے یہاں بھی اُنھوں نے وہابیت کا جینا دو بھر کیے رکھا۔ اُن کے رد میں مستقل کتابیں لکھیں، بل کہ اپنی ہر کتاب میں ہی ان کی مذمت کی اور ان کے غیر اسلامی نظریات کا پردہ چاک کیا۔ مولانا خیر الدین ہندی وہابیوں کے بھی اتنے ہی مخالف تھے جتنے نجدی وہابیوں کے۔ وہ ردِ وہابیت کے شعبے میں اپنا جداگانہ تشخص رکھنے کے باوجود اپنے نانا مولانا منور الدین دہلوی کے پیش رو تھے، نیز حضرت سیف اللہ المسلول شاہ فضل رسول بدایونی اور تاج الفحول شاہ عبد القادر بدایونی ؛ کو اپنا ہم مسلک گردانتے تھے۔ وہ کہتے تھے:

"گم راہی کی موجودہ ترتیب یوں ہے کہ پہلے وہابیت، پھر نیچریت، نیچریت کے بعد تیسری قدرتی منزل جوالحادِ قطعی ہے۔"

(آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی، ص ۳۵۹)

مولانا آزاد نے اِن الفاظ میں بھی اُن کے ردِ وہابیت کو بیان کیا ہے:

* "جہاں تک مجھے خیال ہے وہ وہابیوں کے کفر پر وثوق کے ساتھ یقین رکھتے تھے۔ اُنھوں نے بارہا فتویٰ دیا کہ وہابیہ یا وہابی کے ساتھ نکاح جائز نہیں!" (ایضاً ص ۱۴۷)

* "ہم نے سینکڑوں مرتبہ والد مرحوم سے سنا کہ اُن کا کفر یہود و نصاریٰ کے کفر سے بھی اشد ہے۔ یہود و نصاریٰ بھی اپنے پیشواؤں کے منکر نہیں ہیں، یہ خبیث تو خود اپنے پیغمبر کے منکر ہیں۔" (ایضاً، ص ۳۴۱)

اِس نوعیت کے بے اندازہ اقتباسات ہم نے اِستخراج کر رکھے ہیں جو یہاں پیش کیے جانے کے قابل ہیں اور خود ابو الکلام آزاد کی زبانی ہیں، مگر خوفِ طوالت ایسا کرنے سے باز رکھتا ہے۔ راقم نے انھیں اپنے

مضمون ،، مولانا خیر الدین دہلوی اور وہابیت ،، میں جمع کر دیا ہے، جو اِن شاء اللہ کسی دوسرے موقع پر شائقین کی نذر کیا جائے گا۔

عادات وخصائل: ابوالکلام آزاد دہلوی نے اپنے والد کے عادات و خصائل کو نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے، جسے اُن کے عقیدت مند عبد الرزّاق ملیح آبادی نے روایت کیا ہے۔ اُس کی تلخیص راوی کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں!

''اُن کے بہت سے عادات و خصائل ایسے تھے جو قابل ذکر اور گزشتہ سوسائٹی کی یادگار ہیں۔ مثلاً پابندیِ اوقات، اُن کی زندگی کے تمام اوقات اِس درجہ منتظم تھے کہ نشست و برخاست، اکل و شرب، ملاقات و صحبت، تحریر و تقریر؛ اِن تمام باتوں کے لیے جو اوقات قرار پاگئے تھے اُن میں کبھی تبدیلی نہیں ہو سکتی تھی۔ ہم لوگ ان کے اوقات سے گھڑی کی طرح وقت معلوم کرتے تھے اور جب کبھی دونوں میں اِختلاف ہوتا تو گھڑی کو غلط سمجھتے تھے...

ایک بہت بڑی بات جو اُن کے یہاں پہنچ کر ہر شخص محسوس کر لیتا تھا وہ بندگانِ الٰہی کے ساتھ یکساں سلوک تھا، جس میں امیر، غریب کی کوئی تفریق نہ تھی، ملاقات کے لیے جس ہال میں سب لوگوں کو اِنتظار کرنا پڑتا تھا اُس میں صرف چٹائی فرش ہوتا تھا اور رئیس و غریب سب کو وہیں جاکر بیٹھنا پڑتا تھا، جس کمرے میں وہ لوگ ملتے تھے اُس میں دری کا فرش، ایک گاؤ تکیہ اور ایک چھوٹی سی گدی ہوتی تھی جس پر وہ خود چوبیس گھنٹے بیٹھتے تھے اور خواہ کوئی شخص آئے اُس کو وہیں اُن کے سامنے بیٹھنا پڑتا تھا۔

اُن کی تعلیم و تربیت اُس سوسائٹی میں ہوئی تھی جو ہندوستان کی قدیم اِسلامی تہذیب کی آخری یادگار تھی ... اِس سوسائٹی، خاندانی وراثت اور ذاتی اِعتدالِ طبیعت کی وجہ سے اُن کے اخلاق و عادات میں بہت سی باتیں ایسی جمع ہو گئی تھیں جو اِس زمانے میں کم نظر آتی ہیں۔ ازاں جملہ اُن کی خودداری تھی، عمر بھر کسی امیر و رئیس کی تعظیم نہیں کی اور بہ جز علما اور اپنے اساتذہ کے اور کسی کی تعظیم میں کبھی کھڑے نہیں ہوئے۔ کبھی کسی امیر کے دروازے پر نہیں گئے اور باوجود سخت اِلتجاؤں کے بھی کبھی اُمرا کی دعوتیں قبول نہیں کیں۔ ایک سال میں وہ کتنے مرتبہ اور کس کس کے یہاں جائیں گے؟ یہ بالکل ایک طے شدہ معاملہ تھا اور نہ گھٹتا تھا، نہ بڑھتا تھا.....

سب سے زیادہ قابل ذکر واقعہ اُن کی بے لاگ اور بے باک حق گوئی کا ہے جو ہمیشہ اہل دُوَل کے مقابلے میں نمایاں رہتی تھی جن اشخاص کے متعلق اُن کو متنبہ کرتے تھے اور رعب و ہیبت کا یہ حال تھا کہ انھیں سر جھکا کر سب کچھ سننا پڑتا تھا..... وہ غربا کی دعوتیں نہایت خوشی سے قبول بھی کر لیتے تھے، لیکن اہل دُوَل و اُمرا سے اُن کا تعلق بالکل بے لاگ رہتا تھا اور ممکن نہ تھا کہ ایک ذرّہ بھر بھی دُنیاوی اِحسان ان کا اپنی گردن پر لیں، وہ لوگ آتے تھے، اپنے دینی و دُنیاوی معاملات پیش کرتے تھے اور ہر طرح کی اِعانت انھیں حاصل ہوتی تھی، لیکن وہ خود اُن سے کسی طرح کی اِعانت قبول نہ کرتے تھے۔ نتیجہ یہ تھا کہ اُن کو بادشاہوں کی طرح حکم دیتے تھے اور بے نیازوں کی طرح اُن کے گھمنڈ اور غرور کو ٹھکرا دیتے تھے۔ ہمیشہ ہم لوگوں کو نصیحت کرتے تھے کہ امیروں سے غرور اور غریبوں کے مقابلے میں عجز و نیاز؛ یہی صحیح عادلانہ اخلاق ہے۔ خود اُن کا عمل بھی ٹھیک یہی تھا۔ یہ بات کیسی تعجب انگیز سمجھی جائے گی کہ بڑے بڑے اُمرا تو برسوں تک اِس آرزو میں رہتے تھے کہ ایک مرتبہ اپنے یہاں لے جائیں اور نہیں جاتے تھے، مگر کتنے ہی غریب و فقیر اُن کے عقیدت مند ایسے تھے جن کے چھپر کے کچے مکانوں میں چلے جاتے تھے اور ماحضر قبول کر لیتے تھے۔

اگر ایسے آدمیوں کا شمار کیا جائے جو پریشانی و غربت کی حالت میں اُن کی دُعاؤں کے طالب ہوئے اور پھر اچانک اِنتہا درجے کی خوش حالی تک پہنچ گئے تو اُن کی تعداد اتنی وسیع ہے کہ شمار نہیں کی جا سکتی اُن کی نسبت یہ دُور دُور تک مشہور ہو گیا تھا کہ غریب آدمی اُن سے مرید ہوتا ہے اور دولت و سعادت لے کر واپس ہوتا ہے، ہمیشہ ہزاروں آدمیوں کا اُن کے دروازے پر ہجوم رہتا تھا۔ بیمار شفا کے لیے آتے تھے، مفلس دولت کے لیے، مائیں اولاد کے لیے، کاروباری مشورے کے لیے اور اِس ہجوم میں خال خال وہ بھی ہوتے تھے جو خدا کی طلب میں آتے تھے۔ اِس کا بلاشبہہ انھیں ہمیشہ سخت ماتم رہتا تھا۔ گھر میں بارہا ہم نے دیکھا کہ سرد آہیں بھرتے تھے اور کہتے تھے کہ تمام وقت طلب گارانِ دُنیا کے لیے صرف ہو جاتا ہے اور طلب گارِ آخرت کوئی بھی نہیں ملتا۔ اِسی وجہ وہ ایسے لوگوں کے بڑے خواہش مند و شائق رہتے تھے اور جو اس طلب میں آتے تھے اُن سے بڑی محبت کرتے تھے۔

ایک خاص وصف اُن کی طبیعت کا جو اُن کو عام صف سے الگ کر دیتا ہے طبیعت کی فیاضی، سیر چشمی اور دریا دلی تھی، اُن کو دیکھ کر خیال نہیں ہوتا تھا کہ لوگوں سے لینے والے ہیں بل کہ ہر آنکھ محسوس کر لیتی تھی کہ لوگوں کے دست سوال پر اُن کا دستِ بخشش اُٹھا ہوا ہے۔ کوئی دِن ہم نے ایسا نہیں دیکھا کہ کم سے کم پندرہ بیس آدمیوں نے اُن کے دستر خوان پر کھانا نہ کھایا ہو۔ طبیعت میں بے اِنتہا علو و بلندی تھی۔ دنایت و خست سے نہایت سخت نفرت کرتے تھے اور اسی کی ہم سب کو تلقین کرتے

تھے، جو چیز لیتے قیمتی لیتے، جس کو کچھ دیتے زیادہ سے زیادہ دیتے، علما و فقرائے وقت میں سے کوئی شخص ایسا نہ ہوگا جو اُن سے ملا ہو اور جاتے وقت اُس کو اُنھوں نے ایک رُومال نہ دیا ہو جس کے کونے میں نوٹ بندھے ہوتے تھے۔

اُن کی طبیعت میں مذاہب واقوام کی نسبت بھی ایک عجیب طرح کی بے تعصبی تھی۔ ہزاروں ہندو، پارسی، یہودی، عیسائی عقیدت مندانہ اُن کے پاس آتے تھے اور اپنے مقاصد پیش کرتے تھے۔ اُن کے معتقدین میں بمبئی کے چند پارسی اور ہندو ایسا غیر معمولی اعتقاد رکھتے تھے کہ اُن کے اِنتقال کے بعد جب اُنھوں نے مجھ سے پوچھا کہ ہم اُن کو کیوں کر خوش کر سکتے ہیں؟ اور مَیں نے کہا کہ مسلمان ہو کر! تو اُن میں سے ہر مزجی نرسی مسلمان ہو گیا۔ یہ ایک بہت بڑا دلال تھا۔

اُن کی طبیعت میں یہ بات بھی تھی کہ ہمیشہ خوش پوشاک رہتے تھے، اور اِس بارے میں بڑا خیال رکھتے تھے۔ نہایت قیمتی لباس پہنتے اور ہر طرح کا کپڑا جو گھر میں مستعمل ہو تا قیمتی سے قیمتی منگواتے تھے وہ ہم لوگوں سے کہتے تھے کہ یہ اللہ کی نعمت کا بہترین ذریعۂ شکر ہے اور اِمام مالک اور اِمام ابو حنیفہ کی خوش پوشاکی کے واقعات سناتے۔" (ایضاً، ص ۱۳۱ تا ۱۴۵)

وفات: آپ کی وفات ۱۷ رجب ۱۳۲۶ء/۱۵ اگست ۱۹۰۸ء بہ روز ہفتہ بہ عمر ۷۷ سال ہوئی۔ مانک تلہ کے قبرستان میں اپنی اہلیہ کی قبر کے پہلو میں دفن ہوئے۔ ،،دبدبۂ سکندری،،، رام پور میں یہ قطعہ تاریخ وفات درج ہے:

قضا کرد اُف مولوی خیر دین　　فقیہ زماں اہل جوش و خروش
سنہ فوت چوں خواستم از خرد　　بگفتا "فضایل پناہ اہل ہوش"

آپ کی وفات پر دُنیا کے مختلف ممالک جنوبی افریقہ، ٹرانسوال، زنجبار، سیلون، برما، جاوا، سنگاپور، ہانگ کانگ، حجاز، شام، مسقط وغیرہ سے تعزیتی پیغامات آئے اور بعض جگہ جلسے بھی منعقد کیے گئے اور اخبارات میں ان کی رودادیں شائع ہوئیں۔

(ایک علمی خاندان: سیّد شفقت رضوی، ص ۳۹، ۲۴، اِدارۂ تحقیقاتِ افکار و تحریکاتِ ملّی پاکستان ۱۹۹۰ء)

"دارُ الاسلام، لاہور (پاکستان)" کا ایک لائقِ اِفتخار کارنامہ:

واعظین سے ہمیشہ ہم سنتے چلے آرہے ہیں کہ ابو الکلام آزاد (جس کی آزاد فکر ایک وقت میں غیر مقلدیت، وہابیت، نیچریت، کانگرسیت، گاندھویت، صلح کلیت غرض ہر قسم کی آزاد روی کا ملغوبا بن چکی تھی) کے والد مولانا خیر الدین دہلوی بہت بڑے علامہ تھے اور پکے سُنّی تھے اور پیرِ طریقت بھی تھے۔ اُنھوں نے وہابیوں کے رد میں ۱۰ جلدوں میں کتاب لکھی، وہ بھی عربی میں۔ وہ تقریر میں بھی وہابیوں پر خوب برستے اور اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

وہابی بے حیا جھوٹے ہیں یارو!　　تڑاتڑ جوتیاں تم اِن کو مارو!

بڑے بڑے جلسوں میں مقررین جب وہابیت کے خلاف مسالے دار اور دھواں دھار تقریریں کرتے ہیں تو بڑے اِفتخار و اِستکبار سے اِس بات کو بیان کرتے ہیں۔ سامعین کا جوش تازہ کرنے کے لیے یہ رٹے رٹائے فقرے کافی ہوتے ہیں اور واعظِ قوم کو اِتنی داد مل جایا کرتی ہے کہ اُس کا ،،پیٹ،، بھر جاتا ہے۔ خطبا کی گزر بسر اِن سماعی روایات پر اچھی طرح ہوتی رہی ہے، لیکن دستاویزات کا کوئی ایک ورق بھی شاید اِن حضرات کے پاس اب تک نہیں ہے جو ان کے دعویٰ کی توثیق کرے ماسوائے نقل در نقل سوانحی کتابوں کے اِکا دُکا اِقتباسات کے۔ توقع کے مطابق اِس طبقے نے حضرت موصوف کی رشحاتِ قلم کو جمع کرنے کی زحمت بھی نہیں اُٹھائی ہوگی۔

زمرۂ محققین سے حضرت خیر الدین دہلوی کے کارہائے قلم کی بازیابی کے لیے کوششیں ہوئیں بھی اور نہیں بھی۔ کسی حد تک انھیں اگر کامیابی مل بھی گئی تو بڑی دقت یہ ہوئی کہ کوئی باذوق ناشر انھیں نہ مل سکا، اِس سرمایۂ جلیل کی قدر پہچاننے والا کوئی نجی یا سرکاری اِدارہ برائے نشر و اِشاعت بھی مطلقاً نہیں پایا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ تراثِ علمیہ اپنی پہلی طبع کے بعد گوشہ گیر ہو رہی جسے سوا صدی گزرنے کو ہے۔ اب بھی شاید برسوں بیت جاتے اور مولانا خیر الدین کی کتابوں جیسی لازوال دولت ہمارے ہاتھ نہ آتی اگر اللہ جل جلالہ کی توفیق "دارُ الاسلام" کی رفیق نہ ہوتی۔ اِس نیک بختی پر ہم ربّ العزت عم نوالہ وعزمقالہ کا شکر بجالاتے ہیں۔

الحمد للہ دارُ الاسلام لاہور (پاکستان) نے رجب ۱۴۳۴ھ/ مئی ۲۰۱۳ء میں مولانا خیر الدین دہلوی کے چار رسائل کا مجموعہ شائع کر دیا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے:

۱- خیر الامصار مدینۃ الانصار (۴۷ صفحات) مدینہ منورہ کے فضائل و مناقب۔ منظوم و منثور (۲) السنۃ الضروریہ فی المعارف الخیوریہ (۴۶ صفحات) معرفتِ نفس کے متعلق چھ سوالات اور اُن کے جوابات (۳) حفظ المتین عن لصوص الدین (۹۸ صفحات) دربارۂ اِطلاقِ لفظِ خدا بر غیر خدا و ردِ شبہاتِ منکرین (۴) اسباب السرور لاصحاب الخیور (۱۸۱ صفحات، یہ صفحات چھوٹے سائز کے ہیں، اِس لیے ایک صفحہ پر دو صفحے عکسی

چھاپے گئے ہیں)(۵) مسائل و آدابِ دین مع قصیدہ نو دونہ (۹۹) نام ہائے غوث اعظم قدس سرہ۔ یہ مجموعہ رسائل ۳۳۶ صفحات پر مشتمل ہے، جو اپنی پہلی طبع کا عکس ہیں۔ ان میں پہلے تین رسائل ۱۳۱۵ھ جب کہ رابع الذکر ۱۳۱۸ء میں بار اوّل طبع ہوئے تھے اور اب کم و بیش ۱۲۰ سال بعد دوبارہ منصۂ شہود پر جلوہ فرما ہوئے ہیں۔

اِن رسائل کا اِنتساب مصنف کے نانا مولانا منور الدین دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نام کیا گیا ہے جنھوں نے سرزمینِ ہند میں وہابیت کے سفیرِ اوّل (شاہ اسمٰعیل دہلوی) کی تردید و توبیخ میں پہل کی اور اِس قدر نمایاں کردار ادا کیا کہ اپنے دور کی تحریکِ ردِ وہابیت کے سالار تسلیم کیے گئے۔

اِن کے علاوہ مولانا خیر الدین کی یہ کتابیں بھی ہماری پہنچ میں ہیں:

۵-البصائر العشرۃ الجلیۃ لناظری الجزء الاول من العقائد الخیوریۃ (صفحات:۱۹۰)

۶-درج الدرر البہیۃ فی ایمان الآباء و الامہات المصطفویۃ (صفحات:۶۰۸)

اور دو فارسی کتابوں کے مخطوطات کے عکس ہمیں دست یاب ہوئے ہیں:

۷- تبیان عقائد الفریقین من اہل الحب والبغض فی الدارین

۸- سراج منیر ترجمہ تبصیر الضریر (دونوں کے صفحات ساڑھے تین صَد سے زائد ہیں)

قدرت کو منظور ہوا اور احباب کا ردِ عمل ہمت افزا ہوا اور کوئی معاملہ جگر فرسا نہ ہوا تو اِن شاء اللہ اِن کی اِشاعت کے اسباب بھی جلد تلاش کر لیے جائیں گے۔

مولانا خیر الدین دہلوی کے صد سالہ عرس کا خدائی اِہتمام۔

آج سے کامل پانچ سال قبل جب راقم "دارُالاسلام" سے پہلی کتاب ،،المبین،، شائع کرنے میں مشغول تھا۔ ابھی کچھ کام باقی تھا کہ سیّد محمد عبداللہ قادری اِبن سیّد نور محمد قادری (واہ کینٹ) ہمارے یہاں تشریف لائے۔ وہ آئے اور اپنے ہم راہ ایک گراں قدر، گراں مایہ تحفہ لائے۔ اُس وقت ناچیز علم و تحقیق کی دُنیا میں نووَارِد تھا۔ لائقِ اِحترام شاہ صاحب مجھے اپنے لائے ہوئے قیمتی تحفے کے بارے میں بتاتے رہے کہ یہ مولانا خیر الدین خیوری کی کتابیں ہیں، جو بہت بڑے عالم اور شاعر تھے، وہابیوں کا شدید رد بھی کرتے تھے۔۔۔وغیرہ۔ مَیں چُپ چاپ سنتا رہا اور جواباً سر ہلاتا گیا۔ چوں کہ اب تک مجھے ان جواہر پاروں کی حقیقی منزلت کا اِدراک نہیں ہوا تھا، اس لیے یہ میرے لیے کوئی عجیب چیز نہ تھی۔ ضمناً جب اُنھوں نے یہ اِنکشاف کیا کہ یہ مولانا خیر الدین ابوالکلام آزاد کے والد ہیں اور ان کی کتابوں کو چَھپے ہوئے ایک صدی سے زیادہ کا عرصہ بیت چکا ہے جس کے بعد انھیں ایک طرح سے چُھپا دیا گیا، اِس پر میں واقعی چونک گیا اور شاہ صاحب کے ہاتھ سے کتابیں پکڑ کر حیرت سے اُن کے صفحات تکنے لگا اور خیال ہی خیال میں اُن کی اِشاعت کو ممکن بنانے کے منصوبے بھی تیار کرنے لگ گیا۔ اچانک مجھے اندازہ ہوا کہ مَیں تو خیالی پلاؤ پکا رہا ہوں۔ کیوں کہ ابھی تک تو میری پہلی کتاب بھی پوری طرح سے چھپنے نہیں پائی اور مَیں زیرِ بار آ گیا ہوں، تو یہ ہزار سے زائد صفحات کا دفتر چھاپنے پر کیوں کر قادر ہو سکوں گا!! دفعۃً چند لمحوں کے لیے مجھے شدید حسرت بھی ہوئی اور مَیں نے اپنے آپ سے نیز شاہ صاحب سے فوری اِشاعت پر ترت معذرت کر لی، لیکن ساتھ ہی دل میں تہیہ بھی کیا کہ جس وقت قدرت کے خزانے سے مجھ پر اسباب فراواں ہوئے اِس خزینۂ علم و ادب کو اپنے اِدارے سے ضرور طبع کراؤں گا۔

یہ ۲۰۰۸ء کی بات ہے، جب کہ مولانا خیر الدین دہلوی کی وفات ۱۹۰۸ء میں ہے۔ میری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ یہ فقط اِتفاق نہیں ہے، بل کہ حضرت خیر الدین مرحوم کی وفات کے پورے ۱۰۰ سال بعد آپ کے صد سالہ عرس مبارک کا قدرتی اِنتظام تھا جو اگرچہ پانچ سال بعد تکمیل کو پہنچ رہا ہے، مگر اِس کی بنا پانچ سال پہلے رکھی جا چکی تھی۔

ایک اور خداوندی اِنصرام دیکھیے! اب جب کہ یہ رسائل چھپ چکے اور ملک کے طول و عرض میں پھیل گئے تو یہ بھی آپ کے عرس مبارک ہی کا مہینہ تھا جو آپ کی شخصیت و تعلیمات کو آئندہ کئی دہائیوں تک اُجاگر رکھنے کی روشن سبیل ہے۔ پروفیسر سیّد شفقت رضوی نے لکھا ہے:

"اُن (مولانا خیر الدین) کے مرید ہر سال ۱۷ر رجب کو ان کا عرس کیا کرتے تھے، ۱۹۶۴ء کے بعد بہ وجوہ یہ سلسلہ باقی نہ رہا۔"

(ایک علمی خاندان، ص ۲۴، اِدارہ تحقیقاتِ افکار و تحریکاتِ ملی پاکستان، ۱۹۹۰ء)

آج مولانا کی روح وجد کرتی ہوگی کہ ۵۰ سالوں سے جو سلسلۂ خیر ان کی یادوں کا موقوف تھا آج وہ پھر سے جاری ہوا چاہتا ہے اور جس احسن صورت میں ہوا اُس سے بہتر دوسری کوئی نہیں ہے۔ اللہ کرے یہ سلسلہ سال بہ سال جاری رہے!!

نذرِ مولانا خیر الدین؛ ایک نیا کام: اِرادہ تھا کہ مولانا خیر الدین خیوری کے رسائل کے ساتھ ان کے حالات و خدمات اور نظریات پر تفصیلی مضامین پیش کیے جائیں، مگر ایک تو ان تمام موضوعات کے اِحاطہ کے لیے وقت کی قلت تھی، دوسرا جوں جوں وقت گزر رہا تھا حضرت خیوری کی

شخصیت کے نت نئے پہلو سامنے آتے جارہے تھے اور دل چاہتا تھا کہ ہر ایک جہت پر وقیع مواد جمع کر دیا جائے۔ محترم راجا رشید محمود (لاہور) کا قریباً ۷۰؍ صفحات پر پھیلا ہوا مضمون تو پہلے سے موجود تھا، ڈاکٹر ابو سلمان شاہ جہان پوری (کراچی) نے A4 سائز کے ۳۲؍ صفحات لکھ بھیجے، راقم کے دو مضامین لگ بھگ ۵۰؍ صفحات مکمل ہونے کو ہیں۔ یوں کم و بیش ۲۰۰؍ صفحات کا مواد تو جمع ہو چکا تھا۔ خیال ہوا کہ عدیم الفرصتی کے باعث حاضر مواد کو ان رسائل کے ساتھ ضم کر کے چھاپ دیا جائے تو معاً احساس ہوا کہ اس سے گو بعض پہلو کافی نمایاں ہو جاتے، مگر بعض کسی قدر تشنہ اور بعض بالکل ہی پوش رہ جائیں گے، جو جامعیت کے منافی ہے۔ لہٰذا فیصلہ یہ قرار پایا کہ سر دست مولانا خیر الدین کے مجرد رسائل مع مختصر حالات شائع کر دیے جائیں، تاکہ کتاب بھی بوجھل نہ ہو۔ اور اجرا کے بعد ملک و بیرونِ ملک اہل علم و تحقیق تک بھجوا دیے جائیں اور انھیں دعوتِ تحریر دی جائے، یوں فرصت کے لمحات سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے کم وقت میں خاصا مواد جمع ہو جانے کی اُمید ہے۔ پھر جب کسی شخصیت کے مآثرِ علمی سامنے ہوں تب ان پر کچھ لکھنا زیادہ آسان اور لائقِ اطمینان ہوتا ہے بہ نسبت اس کے کہ تنہا سوانحی مآخذ پر قناعت کی جائے۔

ہندوستانی محققین سے گزارش:

نوٹ: جو حضرات مولانا خیر الدین دہلوی یا مولانا منور الدین رحمۃ اللہ علیہما سے دل چسپی رکھتے ہوں یا ان پر کام کرنا چاہتے ہوں، وہ ہم سے رجوع فرمائیں! اِن شاء اللہ الملک القدوس مواد کی کھوج، محققین سے ربط، کارِ تحقیق میں راہ نمائی اور طباعتی وسائل کی فراہمی میں اُن سے ہر قسم کا ممکن تعاون کیا جائے گا۔

★★★★★★★

(۱)-مولانا منور الدین دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ولادت تیرھویں صدی ہجری کے ابتدائی سالوں میں ہوئی۔ آپ کے والد قاضی سراج الدین شہید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ احمد شاہ ابدالی کے عہد میں لاہور کے قاضی القضاۃ اور پنجاب کے افغان نائب السلطنت کے مشیر تھے۔ والدین کی طرف سے سلسلۂ نسب شیخ جمال الدین معروف بہ "بہلول دہلوی" پر منتہی ہوتا ہے جو حضرت مجدد الف ثانی اور شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہما کے معاصر تھے۔

ابتدائی تعلیم علمائے لاہور سے حاصل کی، پھر دہلی حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کا قصد کیا اور ان کے حلقہ درس میں شریک ہوئے۔ وہاں آپ کے ہم درس مولانا رشید الدین خان دہلوی، مولانا برہان الدین، مولوی اسماعیل دہلوی، شاہ احمد سعید مجددی اور مولانا محمد وجیہ وغیرہ تھے اور یہ جماعت حضرت شاہ صاحب کے اوّلین تلامذہ کی تھی۔ تکمیل کے بعد خود اپنا حلقہ درس قائم کیا۔ آپ کے شاگردوں میں مشاہیر مولانا سدید الدین (مدرّسِ اوّل مدرسہ عالیہ، کلکتہ)، مولوی محبوب علی دہلوی، مولانا فضل امام خیر آبادی، مولانا محمد علی گوپاموی ہیں۔

سکھ راجا رنجیت سنگھ نے جب ملتان پر حملہ کیا تو اُس دوران محاصرے میں مولانا منور الدین کے والد کی شہادت ہو گئی، پھر آپ نے پنجاب سے ہجرت کر کے دہلی میں مستقل سکونت اختیار کر لی۔ یہاں آپ کے درس و تدریس کا شہرہ بامِ عروج کو پہنچا تو سلطنتِ مغلیہ کے رُکن المدرّسین (وزیر تعلیم) کا عہدہ انھیں تفویض کیا گیا۔

تصانیف میں جوابِ رسالہ حسینیہ از شیعہ مصنف، شرح مشارق الانوار (عربی)، حاشیہ مطول، سیرۃ النبی (فارسی) نیز مَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ اور شد رحال پر ایک ایک اور مولوی اسماعیل دہلوی کے رد میں کئی رسالے تصنیف فرمائے۔ آپ کی کتابوں پر بہادر شاہ ظفر اور مفتی صدر الدین خاں آزردہ نیز دیگر بارسوخ علما کی تقاریظ موجود ہیں۔

تاریخی مباحثہ جامع مسجد دہلی کا حال بھی قلم بند کیا۔ ابو الکلام نے کہا ہے:

"مولانا محمد اسماعیل شہید مولانا منور الدین کے ہم درس تھے۔ شاہ عبد العزیز کے انتقال کے بعد جب انھوں نے، تقویۃ الایمان، اور، جلاء العینین، لکھی اور اُن کے مسلک کا ملک میں چرچا ہوا تو تمام علما میں ہل چل پڑ گئی۔ اُن کے رد میں سب سے زیادہ سرگرمی بل کہ سربراہی مولانا منور الدین نے دکھائی۔ متعدّد کتابیں لکھیں اور ۱۸۴۰ھ والا مشہور مباحثہ جامع مسجد کیا۔ تمام علمائے ہند سے فتویٰ مرتب کرایا، پھر حرمین سے فتویٰ منگایا۔ ان کی تحریرات سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے ابتدا میں مولانا اسماعیل اور اُن کے رفیق اور شاہ صاحب کے داماد مولانا عبد الحی کو بہت کچھ فہمائش کی اور ہر طرح سمجھایا، لیکن جب ناکامی ہوئی تو بحث و رَد میں سرگرم ہوئے اور جامع مسجد کا شہرۂ آفاق مناظرہ ترتیب دیا جس میں ایک طرف مولانا محمد اسماعیل اور مولانا عبد الحی تھے اور دوسری طرف مولانا منور الدین اور تمام علمائے دہلی۔" (آزاد کی کہانی خود آزاد کی زبانی بہ روایت ملیح آبادی، ص ۴۴-۵، مکتبہ اشاعت القرآن، دہلی ۱۹۶۵ء)

سن ستاون کی جنگِ آزادی کے ایک یا دو سال بعد (۱۲۷۵-۶ھ/ ۱۸۵۸-۹ء) آپ کا انتقال ہو گیا۔

مولانا منور الدین نے اپنی بیٹی شیخ محمد ہادی ابن شیخ محمد احسن سے منسوب کی جن سے مولانا خیر الدین دہلوی کی ولادت ہوئی۔

☆☆☆☆

قرآن مقدس کی جمع و تدوین

مولانا اختر حسین فیضی مصباحی

سبق (۵): قرآن مجید لوح محفوظ سے یکبارگی رمضان المبارک اور شب قدر میں آسمان دنیا کی طرف اتارا گیا اور وہاں سے تیئیس سال کی مدت میں نبی آخر الزماں ﷺ پر تھوڑا تھوڑا نازل ہوا۔ جو آیتیں اترتیں انھیں بڑے اہتمام سے خود نبی کریم ﷺ یاد فرماتے، پھر صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کو سناتے، اس طرح صحابۂ کرام بھی یاد کر لیتے۔ حفاظت قرآن کا ایک طریقہ تو یہ تھا، دوسرا طریقہ یہ تھا کہ حفظ کے ساتھ ساتھ سرکار دو جہاں ﷺ نے اس کی کتابت کا بھی اہتمام فرمایا، جتنا قرآن نازل ہوتا، بحکم سرکار اس کی کتابت بھی ہو جاتی، اس طرح نزول قرآن کی تکمیل کے ساتھ ہی اس کی کتابت بھی مکمل ہو گئی۔ اور سرکار یہ بھی ہدایت فرماتے جاتے کہ یہ آیت یہاں رکھو، اور یہ یہاں، گویا اس طرح قرآن کی جمع و تدوین ہو گئی۔ پھر عہد صدیقی اور اس کے بعد عہد عثمانی میں تدوین ثانی و ثالث ہوئی، اس کی کیا وجہ ہے؟ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو "جامع القرآن" کیوں کہتے ہیں؟ ان سوالوں کے جوابات کے لیے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ العزیز کی تحریر منیر پڑھیں، ان شاء اللہ تعالیٰ قلب و نظر کو سکون و سرور حاصل ہوگا۔ آپ فرماتے ہیں:

قرآن عظیم کا جامع حقیقی اللہ تعالیٰ ہے۔ قال جل وعلا:

ان علینا جمعه و قرآنه. (القرآن الکریم ۷۵/ ۱۷)

بے شک ہمارے ذمہ ہے قرآن کا جمع کرنا اور پڑھنا۔

پھر جامع عزوجل کے مظہر اول و اتم و اکمل حضور سید المرسلین ﷺ ہوئے۔ آیات قرآنیہ اسی ترتیب جمیل پر کہ مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے مطابق ترتیب لوح محفوظ حسب تبلیغ جبریل و تعلیم جلیل صاحب تنزیل ﷺ زمانۂ اقدس میں اپنی اپنی سورتوں میں جمع ہو لیں، قرآن عظیم ۲۳ برس میں حسب حاجت عبادت متفرق آیتیں ہو کر اترا، کسی سورت کی کچھ آیات اترتیں، پھر دوسری سورت کی آیتیں آتیں، پھر سورت اولیٰ آیتیں کی نازل ہوتیں حضور پر نور سید عالم ﷺ ہر بار ارشاد فرماتے کہ یہ آیات فلاں سورت کی ہیں، فلاں آیت کے بعد فلاں کے پہلے رکھی جائیں۔

اسی طرح سور قرآنیہ منتظم ہوتیں، اور حضور ﷺ پھر حضور سے سن کر صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اسی ترتیب پر اسے نمازوں، تلاوتوں میں پڑھتے۔ قرآن عظیم صرف ایک واحد لغت قریش پر نازل ہوا، عرب میں مختلف قبائل اور ان کے لہجے، باہم حرکات و سکنات و بعض اجزائے کلمات میں مختلف تھے، علامات مضارع کو قریش مفتوح رکھتے، دیگر بعض قبائل ا، ت، ن کو مکسور کر کے نِعبد نِستعین کہتے، لغت قریش میں تابوت آخر میں تاے قرشت سے تھا، دوسروں کے لغت میں تابوہ ہاے ہوز سے۔ اسی قسم کے بالائی اختیارات بکثرت تھے، جن سے معنی کلام بلکہ جوہر نظم کو بھی کوئی ضرر نہ پہنچتا، اور مادری لہجہ زبانوں پر چڑھا ہوا، دفعۃً بدل دینا سخت دشوار۔ لہٰذا حضور پر نور رحمت مہدہ ﷺ نے اپنے رب سے عرض کر کے دیگر قبائل والوں کے لیے ان کے لہجوں کی رخصت لے لی تھی، جبریل امین علیہ التحیۃ والتسلیم ہر رمضان مبارک میں جس قدر قرآن عظیم اب تک اتر چکا ہوتا، حضور اقدس ﷺ کے ساتھ اس کا دورہ کرتے جو سنت سنیہ اب تک بحمد اللہ تعالیٰ حفاظ اہل سنت میں باقی ہے اور باقی رہے گی۔ حتیٰ یاتی امر اللہ وھم علیٰ ذٰلك (یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا امر آجائے گا اور وہ اس پر قائم ہوں گے) سال اخیر میں حامل وحی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دوبارہ صرف اصل لغت قریش پر جس میں قرآن مجید نازل ہوا تھا، حضور پر نور ﷺ کے ساتھ دور کیا، اور اس کی تکرار سے اشارہ ہوا کہ وہ رخصت منسوخ اور اب صرف اسی لغت پر جس میں اصل نزول ہے، استقرار امر ہوا۔ سُوَر (سورتیں) اگرچہ زمانۂ اقدس میں مرتب ہو چکی تھیں، مگر یکجا مجتمع نہ تھیں متفرق پرچوں، بکری کے شانوں وغیرہا میں متفرق جگہ تھیں۔ سوا ان مبارک سینوں کے جن میں سارا قرآن عظیم محفوظ تھا، حال یہی تھا، یہاں تک حضور اقدس ﷺ نے نظر عوام سے احتجاب (انتقال) فرمایا، خلافت خلیفۂ برحق صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں جنگ یمامہ واقع ہوئی جس میں بکثرت صحابۂ کرام حافظان قرآن شہید ہوئے، حافظ حقیقی جامع ازلی جل جلالہ نے اپنے وعدۂ صادقہ وانا له لحٰفظون [القرآن الکریم ۹/۱۵]

استاذ الجامعۃ الاشرفیہ، مبارک پور

(اور بے شک ہم خود اس کے نگہبان ہیں) پورا فرمانے کو پہلے یہ کریم داعیہ قلبِ کریم حضرت موافق الرائے بالوحی والکتاب سیدنا امیر المومنین عمر بن الخطاب ؓ میں ڈالا حضرت فاروق نے بارگاہِ صدیقی میں عرض کی کہ جنگِ یمامہ میں بہت حفاظ شہید ہوئے اور میں ڈرتا ہوں کہ یوں ہی قرآن متفرق پرچوں میں رہا اور حفاظ شہادت پا گئے تو بہت سا قرآن مسلمانوں کے ہاتھ سے جاتا رہے گا۔ میری رائے ہے کہ حضرت جمعِ قرآن کا حکم فرمائیں۔ صدیق اکبر ؓ کو ابتداءً اس میں تامل ہوا کہ جو فعل حضور اقدس ﷺ نے نہ کیا، ہم کیوں کر کریں۔ فاروق اعظم ؓ نے عرض کیا کہ اگرچہ حضور پر نور ﷺ نے نہ کیا مگر واللہ وہ کام خیر کا ہے۔ بالآخر رائے صدیق بھی موافق ہوئی اور زید بن ثابت انصاری ؓ کو بلا کر فرمانِ خلافت نسبت جمع کتاب اللہ صادر ہوا۔ زید ؓ کو بھی وہی شبہہ پیش کہ کیوں کر کیجیے گا وہ کام جو حضور سید الانام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام نے نہ کیا۔ صدیق اکبر ؓ نے وہی جواب دیا کہ اگرچہ حضور اقدس ﷺ نے نہ کیا مگر واللہ وہ کام خیر کا ہے، یہاں تک کہ صدیق وفاروق وزید بن ثابت و جملہ صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اجماع سے یہ مسئلہ طے ہوا اور قرآن عظیم متفرق مواضع سے جمع کر لیا گیا، اور وہابیہ کا یہ شبہہ جس پر آدھی وہابیت کا دارومدار ہے کہ جو فعل حضور اقدس ﷺ نے نہ کیا دوسرا کیا ان سے زیادہ مصالح دین جانتا ہے کہ اسے کرے گا، بہ اجماع صحابہ مردود قرار پایا۔ والحمد للہ رب العالمین، سُوَرِ قرآنیہ اگرچہ متفرق مواقع سے ایک مجموعہ میں مجتمع ہو گئی تھیں، اور وہ مجموعہ صدیق پھر فاروق پھر ام المومنین حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تھا مگر ہنوز تین کام باقی تھے:

(۱) ان مجموع صحیفوں کو ایک مصحف واحد میں نقل ہونا۔

(۲) اس مصحف کے نسخے معظم بلادِ اسلام مملکتِ اسلامیہ کے عظیم عظیم قسمتوں (حصوں) میں تقسیم ہونا۔

(۳) رخصت سابقہ کی بنا پر جو بعض اختلافات لہجہ کے آثار کتابت قرآن عظیم میں متفرق لوگوں کے پاس تھے اور وہ قرآن عظیم کے حقیقی اصل منزّل من اللہ ثابت مستقر غیر منسوخ لہجے سے جدا تھے، دفعِ فتنہ کے لیے ان کا محو ہونا۔

یہ تینوں کام حفظِ حافظ حقیقی جامع ازلی جلالہ نے اپنے تیسرے بندے امیر المومنین جامع القرآن ذی النورین عثمان ؓ سے لیا اور قرآن عظیم کا جمع کرنا حسبِ وعدۂ الٰہیہ تام و کامل ہوا، اس لیے اس جناب کو "جامع القرآن" کہتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(فتاویٰ رضویہ، ۲۶/ ۴۵۰۔ از امام احمد رضا قادری بریلوی، برکاتِ رضا، پوربندر) ☆

(ص:۲۶ر کا بقیہ)...(اگر مسلمانی اسی کا نام ہے جس کا حافظ دعویدار ہے تو اس آج پر اگر کل ہوئی تو افسوس ہی کرنا پڑے گا)

جس ذات، کتاب، گھر، دن، نشان، اور جس عزت والی چیز کو، اللہ سے نسبت ہے ہمیں سب کی تعظیم و تکریم کرنی چاہیے۔ سب کا ادب واحترام کرنا چاہیے۔ اللہ کا یہی حکم ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کی یہی سنت، صحابہ کا یہی عمل اور یہی اجماع امت ہے۔ ان سے توجہ ہٹانا، اللہ سے توجہ ہٹانا ہے۔ کاش! ہمارے نوجوان بھی اس حقیقت کو پاجائیں اور انھیں اللہ تعالیٰ اپنے محبوب پاک ﷺ کے صدقے نور بصیرت سے نواز دے۔ علامہ اقبال کے ان دعائیہ اشعار کے ساتھ رخصت لیتا ہوں

جوانوں کو مری آہ سحر دے — پھر ان شاہین بچوں کو بال و پر دے
خدایا آرزو میری یہی ہے — مرا نور بصیرت عام کر دے

حوالہ جات............

(۱)مکتوبات صدی، بست و پنجم.
(۲) الحج ،آیت : ۳۲. (۳)ابراهیم، آیت: ۵.
(٤) نساء، آیت: ٦٩. (٥) البقره، آیت:۱۵۸.
(٦)البقرة، آیت: ۱۲۵ (۷)آل عمران، آیت: ۹۷
(۸) الحج،آیت: ۳٦. (۹)ابراهیم،آیت : ۵.
(۱۰) بقره،آیت:۱۵۸. (۱۱)آل عمران،آیت:۹۸.
(۱۲)اعراف، آیت:۷۳. (۱۳) حج،آیت : ۳۰.
(۱٤)یونس،آیت :٦۲. (۱۵)الترمذی عن ابی سعید.
(۱٦)موطا امام محمد،حدیث:۹٤۷
(۱۷)المعجم الاوسط للطبرانی،حدیث:۲۸۷.
(۱۸)سنن ابن ماجة،حدیث نمبر:۱۲۳۱.
(۱۹)المستدرك للحاکم،ج:۳،ص:۷۸.
(۲۰)شرح عقائد نسفی ،ص:٥٦.
(۲۱)الجدید شرح کتاب التوحید، ص ۱٤۰.
(۲۲)فتنة الوهابیة ،ص: ٦٦.(۲۳)مسند احمد،شداد ابن اوس.
(۲٤)روزنامه اردو ٹائمز ممبئی ، شماره ۹ اپریل ۲۰۰۷ء
(۲۵)مرقاة شرح مشکوٰة،ج:۳،ص:۱۱،فیصل پریس ۲۰۰۵ء
(۲٦)صحیح مسلم، باب تغلیظ الکذب علی رسول الله ﷺ
(۲۷)الممتحنه:۱۳.
(۲۸)صحیح بخاری، ج:۱، کتاب الجنائز، حدیث نمبر:۱۲۵۷.
(۲۹)شرح ارمغان حجاز ، ص:۱۵۱.
(۳۰)نسبتوں کی بہاریں، ص:۴۰۔ ☆☆☆☆☆

مکتوباتِ نبوی کی عصری معنویت

بزمِ دانش میں آپ ہر ماہ بدلتے حالات اور ابھرتے مسائل پر فکر و بصیرت سے لبریز نگارشات پڑھ رہے ہیں۔ ہم ارباب قلم اور علماے اسلام کو دعوت دیتے ہیں کہ وہ دیے گئے موضوعات پر اپنی گراں قدر اور جامع تحریریں ارسال فرمائیں۔ غیر معیاری اور تاخیر سے موصول ہونے والی تحریروں کی اشاعت سے ہم قبل از وقت معذرت خواہ ہیں۔ از: مبارک حسین مصباحی

مارچ ۲۰۱۴ء کا عنوان ۲۰۱۴ پارلیمانی انتخابات اور ہماری ذمہ داریاں

اپریل ۲۰۱۴ء کا عنوان سوشل میڈیا- کتنا مفید، کتنا مضر؟

مکتوباتِ نبوی آج بھی ہمارے مبلغین کے لیے مشعلِ راہ ہیں

فهیم احمد ثقلینی ازهری، استاذ و مفتی دار العلوم فیضان شاه ثقلین، ککراله، بدایوں

مرشدِ کائنات معلمِ انسانیت پیغمبرِ اسلام ﷺ کی سیرتِ طیبہ کا ہر پہلو ہر فردِ بشر کے لیے مشعلِ ہدایت ہے۔ دنیا میں جن لوگوں نے اسوۂ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا کو اپنا آئیڈیل بنایا وہ لوگ خود ہدایت یافتہ ہو کر غیروں کے لیے ہادی و رہنما بن گئے۔ علمِ سیرت اس مبارک و مسعود علم کا نام ہے جس میں پیغمبرِ اسلام کی دنیا میں تشریف آوری سے وصالِ ظاہری تک کے تمام احوال و کوائف کا ذکرِ خیر ہو۔ آپ کی ولادت باسعادت، انسانی زندگی کے معاملات، ارہاصات و معجزات، آپ کے شب و روز، قبلِ بعثت اور بعدِ بعثت کے حالات، دعوت و تبلیغ کا اسلوب، اقوامِ عالم اور قبائلِ عرب کا آپ کے تعلق سے موقف۔ بلد اللہ الحرام مکہ معظّمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت، غزوات اور جہاد فی سبیل اللہ کا بیان، غزوات و سرایا میں شریک صحابہ کرام کے حالات، عہدِ رسالت میں اسلام کی نشر و اشاعت، امن کے تقاضے، جنگی قوانین، انسانیت کی صلاح و فلاح اور بہبودی کے تعلق سے تمام امور سیرتِ نبویہ کے مہکتے پھول، چمکتے موتی اور جگمگاتے ستارے ہیں۔ یہ تمام مضامین سیرت نبویہ کے ''شجرۃ الخلد'' کی شاخیں ہیں۔

(السیرۃ النبویہ فی ضوء الکتاب والسنۃ، ۱/۷، شیخ عبد المہدی، محدث ازہری مصر)

رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ طیبہ کا سب سے زیادہ ممتاز اور نمایاں وصف دعوت و تبلیغ ہے۔ بعثتِ انبیا کا بنیادی مقصد دعوت الی اللہ ہی ہے۔ آپ نے اپنی پوری زندگی میں سب سے زیادہ جد و جہد اور مشقت اسی امر کی خاطر برداشت کی اور اس کام کو انجام تک پہنچانے کے لیے آپ نے ہر ممکن قدم اٹھایا اور تمام راستے اختیار کیے۔ اعلان نبوت کے بعد آپ مکہ معظّمہ میں تیرہ سال کس طرح بسر کیے، یہ سیرت کا مطالعہ کرنے والوں سے پوشیدہ نہیں ہے۔

اس لیے مکی زندگی میں دعوت و تبلیغ کا دائرہ بہت وسیع نہ ہو سکا، محدود رہا، پھر بھی قریش کے ہمہ گیر اثر و اقتدار، ظلم و ستم اور پروپیگنڈے کے باعث لوگوں کا دین اسلام میں داخل ہونا کسی معجزہ سے کم نہیں ہے۔ مکہ میں ظلم و تشدد، سازشوں، ریشہ دوانیوں، جنگ و جدال اور مصائب و آلام کے پہاڑ سامنے کھڑے تھے۔ ہجرت کے بعد جنگ بدر پیش آئی، اس کے بعد قبائل کی روک تھام کے انتظام میں مصروف ہو گئے اور چھوٹی بڑی چند جنگیں ہوئیں۔ ۴ر ہجری کے آغاز میں غزوۂ احد کا معرکہ پیش آیا۔ ۵ر ہجری میں پورا عرب اور اس کے تمام قبائل قریش، یہود، بنو غطفان، بنو اسد، بنو سعد، بنو تمیم سمیت ۲۴ر ہزار لشکر مسلمانوں کے استیصال کے لیے چڑھ آئے۔ اس کے بعد بنو قریظہ سے جنگ ہوئی، سات ہجری میں غزوۂ خیبر کی خوف ناک جنگ پیش آئی، ڈاکٹر حمید اللہ مرحوم لکھتے ہیں کہ تاریخی کتب اور ماخذ سیرت میں ہے کہ پیغمبرِ اسلام کی ۲۳ر سالہ نبوی زندگی میں چھوٹی بڑی تراسی جنگیں ہوئیں جن میں چھپن سرایا اور ستائیس غزوات ہیں۔ ان جنگوں میں دو سو انسٹھ مسلمان شہید ہوئے اور سات سو انسٹھ کفار و مشرکین قتل ہوئے۔ ایک جنگ میں ایک مسلمان قید ہوا اور تراسی جنگوں میں چھ ہزار پانچ سو چونسٹھ کفار و مشرکین قید ہوئے۔

جب ۶ھ ہجری میں صلح حدیبیہ ہوئی، جو بقاے باہمی اور امن و امان پر مبنی تھی، اس کے بعد آپ نے مختلف غیر مسلم امرا کو دعوتی خطوط روانہ فرمائے جن کا مقصد تمام انسانیت کو امن و سلامتی کی آزادی، اخوت، مساوات اور حق شناسی سے آشنا کرانا تھا۔ حضور نے ان دعوتی خطوط کے ذریعہ لوگوں کو سچی ہمدردی سکھائی اور فساد زدہ دنیا کو امن کا گہوارہ بنانے کی کامیاب ترین سعی کی۔ اس دنیا کو چین و سکون کی اس وقت بھی ضرورت تھی اور آج بھی عدل و انصاف نیز امن و سکون کی اشد ضرورت ہے۔ آپ نے جو دعوتی مکاتیب سلاطین زمانہ کو ارسال فرمائے تھے، ان کی اہمیت و افادیت کو بڑھانے کے لیے چند پہلو سامنے آتے ہیں۔ اِن دعوتی مکتوبات کے ذریعہ نوعِ انسانیت کو خیر خواہی، امن و امان، جذبۂ خیر سگالی کا درس دینا مقصد تھا، مورخینِ سیرتِ طیبہ نے ان خطوط کا اندازِ تخاطب دیکھنے کے بعد دو بنیادی قسموں میں تقسیم کیا ہے، ایک یہ کہ مسلم امرا و قبائل کے نام، دوم غیر مسلم امرا و قبائل کے نام۔ ڈاکٹر حمید اللہ کی تحقیق کے مطابق آپ نے جن مسلم امرا و قبائل اور غیر مسلم بادشاہوں کو خطوط ارسال فرمائے ان کی تعداد تقریباً تین سو پچاس ہے۔ ان میں سے چند نمایاں نام حسب ذیل ہیں۔ شاہ حبشہ اصحمہ نجاشی، شاہ روم، قیصر ہرقل، فارس کسریٰ خسرو پرویز، شاہ اسکندریہ و مصر مقوقس، شاہ بحرین منذر بن ساویٰ، شاہ یمامہ ہوزہ بن علی، شاہ دمشق حارث غسانی، شاہ عمان جیفر و عبدہ، اہلِ نجران، مسیلمہ کذاب، بنو جذامہ، بنو بکر بن وائل ذی الکلاع وغیرہ۔

چند غیر مسلم امرا کے علاوہ اکثر امرا و قبائل نے اسلام قبول کر لیا اور کفر کے اندھیروں سے نکل کر ایمان و اسلام کی روشنی میں آگئے۔ پیغمبرِ اسلام علیہ الصلاۃ والسلام نے غیر مسلموں کے علاوہ امرائے قبائل کے نام بھی دعوتی مکاتیب جاری فرمائے۔ ان میں سے چند حسب ذیل ہیں۔ خالد بن ولید، فروہ بن عمرو جذامی، اکیدر، وائل بن حجر، مالک بن نمط، بنی نہد، اہلِ حضر موت قبائل مباہلہ وغیرہ۔

اگر ہم بہ نظرِ غائر ان مکتوبات کا مطالعہ کرتے ہیں تو عربی زبان و ادب، اسلوبِ دعوت و تبلیغ وغیرہ کی تمام خصوصیات جلوہ گر نظر آتی ہیں۔ اور یہ مکاتیب فصاحت و بلاغت کے عرشِ معلیٰ پر فائز معلوم ہوتے ہیں۔ دعوتی مکاتیب کی ترتیب، اسلوب نگاری، نبیِ امی معلمِ کائنات پیغمبرِ اسلام کی ذات ستودہ صفات سے منسوب ہے تو اس میں اگر کسی بھی جہت سے کوئی خامی نظر آجائے تو وہ رسول اللہ کا کلام ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ خطوط ہماری تعلیم کے لحاظ سے ادب نگاری کا بہترین مرقع، دعوت و تبلیغ کا بہترین انداز، مرسل الیہ کا مقام و مرتبہ اور دین و عقیدہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے وعظ و نصیحت اور شان دار مواعظ حسنہ کے دستاویز ہیں۔ ہم عصر سلاطین زمانہ سلطنت روم اور سلطنت فارس کے حکمرانوں کو دنیا و آخرت کی اہمیت کی طرف توجہ دلانا۔ یہ مکاتیب کوئی سرسری اور معمولی نہ تھے بلکہ بڑے موثر اور دل نشیں پیرائے میں لکھے گئے تھے۔ ان میں انھیں تبلیغ و رسالت کے اعتراف اور قبولیت اسلام کی دعوت دی گئی تھی۔

تاریخ اس امر پر شاہد ہے کہ جن امرا و قبائل اور سلاطین نے ان دعوتی مکتوبات کی آواز پر لبیک کہا وہ خود دنیا میں امن و امان اور حق و صداقت کے علم بردار بنے رہے۔ پیغمبرِ اسلام نے ان مکتوبات کے ذریعہ نوعِ انسانیت کو ایک لڑی میں پرونے کی کوشش کی ہے۔ چناں چہ عہدِ حاضر میں بھی دنیاے انسانیت کو اخوت و مودت، امن و شانتی، عدل و مساوات کی سخت ضرورت ہے۔ اگر ہم ان بنیادی حقوق کو تلاش کرنا چاہیں تو ہمیں عہدِ رسالت میں ان گنت نمونے مل جائیں گے جو عالمِ انسانیت کو کامیاب و کامران بنانے میں معاون ثابت ہوں گے۔

کتبِ سیرت میں مکتوبات نبوی کے تعلق سے مورخین و مولفین نے جو خامہ فرسائی کی ہے اس کا مطالعہ کرنے کے بعد عصر حاضر کی دعاۃ و مبلغین کے لیے بے شمار اصول اور دعوتی نقوش و خطوط مل جائیں گے جن کی روشنی اور رہ نمائی میں دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دیا جا سکتا ہے۔ پیغمبرِ اسلام کے ان دعوتی مکاتیب سے ہمیں مندرجہ ذیل ہدایت و رہ نمائی حاصل ہوتی ہے۔

(۱) دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دینے والوں کی سوچ مثبت ہو منفی نہ ہو۔ آفاقی فکر و نظر کے حامل ہوں، محدود ذہن و دماغ والا اس میدان میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔

(۲) دعوت و تبلیغ کا دائرۂ کار صرف اپنوں تک محدود نہ رکھا جائے اپنے تو اپنے ہیں ہی۔ فاسق و فاجر، کفار و مشرکین کو بھی دعوتِ حق دے کر اسلام کی طرف بلایا جائے۔ پیغمبرِ اسلام نے اپنے عہد کے تقاضوں کے مطابق صرف دعوتی مکاتیب ہی امرا و سلاطین کو ارسال فرمائے، عہدِ حاضر میں دعاۃ و مبلغین کو چاہیے کہ اسلامی تعلیمات اور تعارفِ اسلام کے تعلق سے لٹریچر ان تک پہنچائیں۔

(۳) پیغمبرِ اسلام نے سلطنتِ روم اور سلطنتِ فارس کے حکمرانوں کو بلا خوف لومۃ لائم مکاتیب ارسال کیے، اس امر کو مدِ نظر رکھتے ہوئے آج بھی ہماری ذمہ داری ہے کہ سیاست، صحافت، تاجر، کھلاڑی، حاکم، محکمۂ طب و صحت، مشہور و معروف سماجی کارکن، اس کے علاوہ اور سرکاری، نیم سرکاری اور پرائیویٹ جتنے بھی شعبہ جات اور محکمہ جات ہیں ان سب تک سیرتِ رسول اور تعارفِ اسلام پر مبنی لٹریچر پہنچائیں۔

)۴)داعیانِ اسلام اس اصول کو بھی پیش نظر رکھیں کہ پیغمبرِ اسلام نے مسلم اور غیر مسلم دونوں کو دعوتی مکاتیب ارسال فرمائے۔ دونوں طرح کے خطوط میں مخاطب اور مکتوب الیہ کے دین و عقیدے اور جاہ و منصب کا لحاظ کرتے ہوئے خطوط لکھے۔ اسی طرح عہدِ حاضر میں بھی دعاۃ ومبلغین اس اندازِ تخاطب کو پیش نظر رکھیں کہ ہمارا مخاطب مسلم ہے یا غیر مسلم، اگر مسلم ہے تو ایمان و عقیدہ مضبوط و محفوظ ہے یا متزلزل اور مذبذب ہے۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے یا متوسط ہے اور ادنیٰ، دیہات، گاؤں کا باشندہ ہے یا شہر کا باشندہ۔ جاہل ہے یا عالم۔ اس قسم کے جملہ اصول مد نظر ہونے چاہئیں۔

(۵)دعوت وتبلیغ کا فریضہ انجام دیتے وقت داعی و مبلغ اسلام کی ہمہ گیر اور آفاقی تعلیمات کو اپنا عنوانِ سخن بنائے۔ متنازع اور مختلف فیہ مسائل سے ہمیشہ داعی ومبلغ کو دور رہنا چاہیے۔ کسی ایسے موضوع اور مسائل کو موضوعِ دعوت وتبلیغ نہ بنائے جو کسی خاص مسلک و مشرب کے داعی ہوں۔ مخاطب جب اسلام قبول کر چکے تو ان مسائل کی تبلیغ کریں اور اس طرف توجہ دیں۔

(۶)حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو دعوتی مکاتیب امرا و سلاطین کو جاری فرمائے ان سے جو نتائج برآمد ہوئے اس میں ایک نتیجہ یہ بھی ہے کہ عہدِ حاضر میں جب ہم غیر مسلم تعلیم یافتہ طبقہ تک دعوت و تبلیغ کریں گے تو اگر وہ اسلام قبول نہ کریں گے تو کم از کم ان کی کچھ غلط فہمیاں دور ہوں گی۔ جب ہم اسلامی تعلیمات ان تک پہنچادیں گے تو اس طرح امن و امان اور محبت و اخوت کا پیغام عام ہوگا۔

عہدِ رسالت میں ذرائع ابلاغ سے جہاں تک اور جیسے بھی ممکن تھا پورے عالم میں دعوتی مکاتیب ارسال فرمائے اور پوری زندگی دعوت و تبلیغ کے لیے جدوجہد کرتے رہے، سیرتِ طیبہ کا یہ دعوتی پہلا عہدِ حاضر میں علما و مشائخ کے لیے لمحۂ فکریہ ہے کہ ہم کس حد تک دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دے رہے ہیں اور اس مسئلے کے لیے کتنے حساس ہیں۔ ہمارے اعمال و افعال اور احوال و کردار سے عوام کتنے مطمئن ہیں۔ ہمارے مدارس، ادارے، جامعات اور خانقاہیں دعوت و تبلیغ کے لیے کتنی کوشاں ہیں اور شعبۂ دعوت و تبلیغ کتنا متحرک اور فعال ہے۔ علما و مشائخ اس بات کو واضح طور پر دین اور اصولِ دعوت کے مطابق عالمی سطح پر دعوت و تبلیغ کا فریضہ انجام دے رہے ہیں، اور اس موضوع پر باقاعدہ کتابیں موجود ہیں۔ مثلاً اگر کسی عیسائی مبلغ کو اڑیسہ، بنگال اور آسام کے مختلف پس ماندہ آدی واسیوں میں عیسائیت کی تبلیغ کرنا ہے تو اس مبلغ کی تربیت اسی علاقہ کے علمی، معاشی، اقتصادی، سماجی حالات کو پیش نظر رکھ کر کی جاتی ہے۔ اگر کسی عیسائی مبلغ کو دہلی و ممبئی جیسے ترقی یافتہ شہروں میں تبلیغ کرنا ہے تو اس مبلغ کی دعوتی تربیت اسی لحاظ سے کی جاتی ہے۔ عیسائی مشنری کی تبلیغی کتابوں کے عنوان کچھ اس طرح ہوتے ہیں۔ عیسائیت کی تبلیغ کیسے کریں؟ مسلم تعلیم یافتہ طبقہ میں یا جاہل اور غریب مسلموں میں عیسائیت کی تبلیغ کیسے کریں؟ مسلم کالجوں میں عیسائی مذہب کی تبلیغ کیسے کریں؟ اسی طرح دیگر ادیان و مذاہب کے ماہرین نے بھی کتابیں تیار کر رکھی ہیں، ادنیٰ محنت و توجہ کے بعد اس طرح کی معلومات دستیاب ہوسکتی ہیں۔

عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ دینِ باطل کے پیروکار عیسائی مبلغین اور مبلّغات اپنے افکار و نظریات کی تبلیغ میں مہارت کے ساتھ کس قدر چاک و چوبند اور متحرک ہیں، کس قدر منظم اور منصوبہ بند ہیں، کیا اس کا اندازہ مسلم قائدین کو بھی ہے؟ بغیر کسی محنت و مشقت کے قوم کو بے وقوف بناکر حصولِ زر اور مالی فیضان حاصل کرنے کے لیے جسے دیکھو "قائد ملت" بننے کے لیے سرگرداں نظر آرہا ہے، بلکہ قیادت پر غلط قبضہ برقرار رکھنے کے لیے ہر طرح کے مکر و فریب اور سازش سے کام لے کر پشت در پشت وراثت کا سلسلہ قائم کیا جارہا ہے، مگر دعوتِ اسلام اور تبلیغِ دین کی فکر کو نہیں ہے۔ ہمارے علما و مشائخ نے عصرِ حاضر میں غیر مسلموں کے درمیان کتنا اسلام کا تعارف کرایا ہے؟ آج غیر مسلموں کے درمیان دعوت و تبلیغ کے نام پر بنام مسلم جتنی بھی اور جس جانب سے بھی کوششیں ہورہی ہیں، وہ تمام جماعتیں اور تنظیمیں غیر اہلِ سنت ہیں۔

اسلام، پیغمبرِ اسلام، تعلیماتِ اسلام کا دَور ہمیشہ کے لیے ہے اور ہمیشہ یہی چیزیں انسانیت کو قعرِ مذلت کے غارِ عمیق سے نکالتی رہیں گی، پیغمبرِ اسلام کی زندگی صرف خیر القرون تک کے لیے نہیں تھی بلکہ قیامت تک کے لیے ہے۔ لہٰذا مکتوباتِ نبوی کی اہمیت و افادیت ہمیشہ مسلم رہی ہے اور آج بھی سالکینِ رشد و ہدایت کے لیے خضرِ راہ ہیں۔ مکتوبات نبوی کی عصری معنویت یہ ہے کہ آج بھی یہ دعاۃ و مبلغین کے لیے مشعلِ راہِ ہدایت ہیں۔ درگاہوں کے سجادگان، خانقاہوں کے مشائخِ عظام، مدارس کے اساتذہ، عصری اداروں کے دانش وران اور پروفیسران عصرِ حاضر میں دعوت و تبلیغ کا فریضہ عمدہ طریقہ سے انجام دے سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی اپنی ذمہ داری کو بحسن و خوبی انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔ مکتوباتِ نبوی کی عصری معنویت سے مستفیض فرمائے۔ آمین۔ یا مجیب السائلین بجاہ سید الانبیاء والمرسلین علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم۔

☆☆☆☆☆

خطوط انسانی زندگی کے آئینہ دار ہوتے ہیں

از: مہتاب پیامی، کمپیوٹر شعبہ جامعہ اشرفیہ، مبارک پورpayamee@gmail.com

عہدِ نو سائنس اور ٹیکنالوجی کا زمانہ ہے۔ اس زمانے میں انسان نے مادی طور پر کافی ترقی کرلی ہے۔ ہر روز نئی نئی ایجادات سامنے آرہی ہیں۔ انفارمیشن ٹیکنالوجی کی برق رفتاری نے دنیا کو ایک گاؤں بنادیا ہے۔ مادیت کا سیلاب ہے کہ تھمنے کا نام نہیں لیتا۔ ہر طرف سامانِ عیش و نشاط کی فراوانی ہے، شہر تو شہر اب دیہات بھی رفتہ رفتہ آراستہ ہورہے ہیں، سوائے ایک انسانیت کی بستی کے، جسے اجڑے ہوئے طویل عرصہ بیت چکا ہے، روحانیت و اخلاق کہیں اور جاکر بس گئے ہیں، حقوقِ انسانی بازیچۂ اطفال بن کر رہ گئے ہیں، ہر طرف سراسیمگی چھائی ہوئی ہے، اخلاق و قانون کی بے بسی کا عالم یہ ہے کہ سپر پاور چند لمحوں میں ہنستے کھیلتے ملکوں کو تباہ و برباد کرکے رکھ دیتے ہیں، آزادیِ نسواں کے نام پر بے حیائی کو فروغ دیا جارہا ہے۔ معاشی عدم توازن کا یہ عالم ہے کہ ایک طرف تو معمولی محفلِ نشاط پر لاکھوں روپے پانی کی طرح بہادیے جاتے ہیں اور دوسری طرف ایک عورت افلاس کی وجہ سے معمولی قیمت پر اپنے نوزائیدہ لختِ جگر کو بیچنے پر مجبور ہوتی ہے۔ The end of History کے فلسفے کے نام پر جاہلی طبقاتی نظام کا احیا ہورہا ہے۔ ہر شخص اپنے مستقبل کے بارے میں فکرمند ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ قلبی راحت و سکون کے لیے وقتاً فوقتاً مختلف ازموں اور فلسفوں کو آزمارہا ہے اور جنگلوں اور پہاڑوں کا رخ کررہا ہے، لیکن کہیں بھی اسے ایک پل کے لیے قرار حاصل نہیں ہوتا۔

تاریخ بتاتی ہے کہ انسانی دنیا اس طرح کے ناگفتہ بہ دور سے آج سے چودہ سو سال قبل بھی گزر چکی ہے، جب انسانیت زندگی کی آخری سانسیں لے رہی تھی۔ ایک صحرائے عرب کیا، ساری دنیا میں بدامنی و ابتری پھیلی ہوئی تھی، خوف و دہشت اور معاشی استحصال کا دور دورہ تھا، امن و قانون نام کی کوئی چیز باقی نہیں رہ گئی تھی۔ اعلیٰ انسانی قدروں کا جنازہ اٹھ چکا تھا، بچیاں زندہ درگور کردی جاتی تھیں، غلاموں کے ساتھ جانوروں جیسا سلوک کیا جاتا تھا، عورتیں تمام حقوق سے محروم تھیں، طاقت ور کمزور کو نگلے جارہا تھا، خدا فراموشی کے سبب لاتعداد معاشرتی و اخلاقی بیماریاں پیدا ہوچکی تھیں، شراب نوشی، قمار بازی، بے حیائی، قتل و غارت گری اور ارواحِ خبیثہ کی پرستش عام بات تھی۔ ایسے پُرآشوب دور میں مسیحائے انسانیت، رحمۃ للعالمین، محمد مصطفیٰ ﷺ کی بعثت ہوئی، جہاں سے عروجِ انسانیت کی تاریخ شروع ہوئی۔

آپ ﷺ کی پوری زندگی آج لوگوں کے سامنے کھلی کتاب ہے، آپ نے کس طرح صبر و ضبط سے کام لے کر روحانی تہذیب اور انسانی اقدار کو فروغ بخشا، جہالت زدہ دماغوں کو علم و عرفان و آگہی کا مستقر بنایا، عدل و انصاف کے مینارۂ نور سے ناانصافی کی تاریکیوں کا پردہ چاک کیا۔ آپ ﷺ کی زندگی کا ایک ایک لمحہ آج کے اس تاریک دور میں بھی روشنیوں کا سیلاب لا سکتا ہے شرط ہے بس عمل کی۔

آپ ﷺ کی تبلیغ کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ جس وقت آپ نے کوہِ فاران سے اعلانِ نبوت کیا تو خود آپ کے گھر اور قبیلے والے آپ کی مخالفت پر کمربستہ ہوگئے لیکن آپ کے پائے ثبات کو اللہ رب العزت نے وہ استقلال عطا فرمایا تھا کہ جس کی مثال پیش کرنے سے تاریخِ انسانیت قاصر ہے۔ پھر چشمِ عالم نے تیئیس برس کی قلیل مدت میں یہ حیرت انگیز منظر دیکھا کہ جس کی مخالفت خود اس کے قبیلے والے کررہے تھے اس شمعِ دل نواز پر دنیا بھر کی قومیں پروانہ وار نثار ہورہی ہیں۔ آپ کے طریقۂ تبلیغ میں جو خوبیاں تھیں انھیں سارے عالم نے محسوس کیا۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی آپ کے مکتوبات بھی تھے جو آپ نے وقتاً فوقتاً سلاطین و امرا کو لکھے۔

ان مکتوبات میں جس طرح اسلام کی دعوت کے لعل و جواہر جڑے ہوئے ہیں، اسی طرح ان کی روشن پیشانی پر گراں قدر نصائح، سیاسی نکات اور اصولِ جہاں بانی و حکمرانی کے بیش بہا موتی بھی گندھے ہوئے ہیں وہ قابلِ قدر اور لائقِ مطالعہ ہیں۔ عربوں کی مخالفت کی وجہ سے صلح حدیبیہ ۶ھ تک دعوتِ اسلام کا دروازہ بند تھا، اس صلح نے دعوت کا دروازہ کھول دیا لہٰذا آپ ﷺ نے اسلام کی ابدی صداقتوں سے دیگر اقوام کو روشناس کرانے کے لیے ضروری سمجھا کہ سلاطینِ عالم تک خطوط کے ذریعے اس پیغام کو پہنچایا جائے، چنانچہ آپ ﷺ نے صلح حدیبیہ سے واپسی پر ماہ ذی الحجہ ۶ھ میں بادشاہوں کے نام دعوتی خطوط بھیجنے کا ارادہ کیا، اس موقع پر صحابۂ کرام سے مشورہ بھی کیا۔ آپ کے اصحاب جو اطاعت و جاں نثاری کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے تھے انھوں نے اس خدمت کو اپنے لیے سعادت سمجھا اور تعمیلِ ارشاد کے لیے دل و جان سے تیار ہوگئے مگر بایں ہمہ آپ کی خدمت اقدس میں ایک مشورہ بھی پیش کیا کہ یارسول اللہ! جس خط پر مہر نہ ہو سلاطین اس کو قابلِ اعتماد نہیں سمجھتے، حتی کہ ایسے خط کو پڑھتے تک نہیں۔ رسولِ اکرم

ﷺ نے ان کے مشورہ کے مطابق ایک مہر کندہ کروائی، جس کا حلقہ اور نگینہ چاندی کا تھا، مگر صنعت حبشہ کی تھی اس پر مہر کی شکل میں "محمد رسول اللہ" کندہ تھا۔ پھر آپ نے معلومات رکھنے والے تجربہ کار صحابہ کرام کو بطور قاصد منتخب فرمایا اور انہیں بادشاہوں کے پاس خطوط دے کر روانہ فرمایا بعض مورخین نے وثوق کے ساتھ بیان کیا ہے کہ آپ نے یہ قاصد اپنی خیبر روانگی سے چند دن پہلے یکم محرم ۷ھ کو روانہ فرما کر ان کو دین اسلام قبول کرنے کی دعوت دی اور یہ بھی واضح فرمادیا کہ رعایا کی گم راہی کی ذمہ داری تم پر عائد ہوتی ہے۔

مکتوبات نبوی میں جن لوگوں کو مخاطب کیا گیا ہے، ان میں چار مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے لوگ ہیں (۱) مشرکینِ عرب (۲) عیسائی (۳) یہودی اور (۴) رزرتشی (مجوسی)۔ آپ نے ہرقل اور مقوقس کے نام جو خطوط لکھے، ان میں اپنے نام کے ساتھ خصوصیت کے ساتھ عبداللہ (خدا کا بندہ) لکھا، جس سے مخاطب کے عقیدے کی نہایت لطیف پیرائے میں تردید کردی گئی ہے کہ انبیاو مرسلین خدا کی اولاد نہیں، بلکہ مخلوق ہوتے ہیں۔ فارس خسرو پرویز کے نام جو نامۂ مبارک ارسال کیا گیا اس میں عقیدۂ توحید کو خاص طور پر اجاگر کیا گیا، کیوں کہ فارس میں دو خداؤں کا عقیدہ موجود تھا، اس کے بعد اسلام کے عالمی مذہب ہونے اور آپ ﷺ کے تمام اقوام کی جانب مبعوث ہونے کا صاف لفظوں میں اظہار کیا گیا۔ یہود کے نام خط میں تورات کے حوالے دے کر اپنی نبوت کا اثبات کیا گیا اور مشرکینِ عرب کے نامۂ مبارک میں توحید خدا پر زور دے کر غیرِ خدا کی عبادت سے روکا گیا۔ قیصر روم نے آپ ﷺ کے دعوتی خط کے بعد احوال کا جائزہ لے کر آپ کی نبوت و رسالت کا اقرار کیا، مگر اسلام قبول نہ کیا۔ اسی طرح عزیز مصر مقوقس نے بھی آپ کی نبوت و رسالت کا اعتراف کیا، مگر ایمان نہ لایا۔ نجاشی شاہ حبشہ (جو کہ عیسائی تھا) حلقہ بگوش اسلام ہوا۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے ایک خط اہل سندھ کی جانب بھی ارسال فرمایا تھا جو نتیجہ خیز ثابت ہوا اور سندھ کے کچھ حضرات حلقہ بگوش اسلام ہو کر دربار رسالت میں حاضر ہوئے۔

آپ ﷺ نے ہمسایہ ممالک کے حکمرانوں اور عرب کے قبائلی سرداروں کے نام جو خطوط تحریر فرمائے ان کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ آپ نے دنیا میں کس طرح کا ذہنی، فکری اور عملی انقلاب برپا کیا؟ اور انسانیت کے لیے کیسے کیسے زریں اصول وضع فرمائے؟ تمدن اور معاشرت کو کن راہوں پر ڈالا؟ اور انسانیت کے فطری تقاضوں کی کس حد تک تکمیل فرمائی۔ کسی شخصیت کا مطالعہ اس کے خطوط کی روشنی میں بہترین مطالعہ قرار دیا گیا ہے۔ خطوط کے ذریعے مکتوب نگار کی سیرت، شخصیت، روز مرہ پیش آنے والے حالات و واقعات، معاشرتی و سیاسی تغیرات اور اس عہد کے معاشرتی وسیاسی اور تاریخی عوامل معلوم ہوجاتے ہیں، نیز کسی کے انفرادی واجتماعی حالات معلوم کرنے کے لیے اس سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں، کسی مفکر کا قول بھی ہے کہ خطوط انسانی زندگی کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ نے اپنی زندگی میں بڑے بڑے بادشاہوں، قبائل عرب کے سرداروں اور گورنروں کے نام جو خطوط لکھے، وہ کتب حدیث میں محفوظ ہیں۔ ان کی تعداد تین سو کے قریب ہے، ان میں سے ۳۹ خطوط ایسے ہیں جن کا اصل متن محفوظ ہے اور ۸۶ خطوط وہ ہیں جن کا صرف مفہوم کتب میں ذکر کیا گیا ہے۔

آپ کے مکاتیب کو سب سے پہلے حضرت عمرو بن حزم انصاری نے مرتب کیا تھا، انہوں نے آپ کے ۲۱ / مکاتیب گرامی جمع کیے تھے۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے "الوثائق السیاسیہ" کے نام سے بہت جامع کام کیا ہے، جس کا اردو ترجمہ "رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی" کے نام سے دستیاب ہے۔ اس موضوع پر اردو میں اب تک جنہوں نے سب سے زیادہ قابل قدر کام کیا ہے، وہ مولانا سید محبوب رضوی صاحب ہیں، موصوف نے اپنی کتاب "مکتوباتِ نبوی ﷺ" میں آقائے نامدار ﷺ کے تین سو کے قریب مکاتیب جمع کردیے ہیں اور بہت تحقیقی کام کیا ہے۔

اسلام کو دنیا کے سامنے پیش کرنے کا سب سے بہتر اور مؤثر طریقہ وہی ہے جو آپ نے اختیار فرمایا، مکتوبات نبوی میں اسی طریقہ کو پیش کیا گیا ہے، آپ ﷺ کے ان خطوط سے جو بات نمایاں طور پر سمجھ میں آتی ہے، وہ یہی ہے کہ اسلام کو غیر مسلموں کے سامنے کس انداز سے پیش کرنا چاہیے؟ اور مسلمانوں کو غیر مسلموں سے تعلقات و معاملات میں کن امور کا لحاظ رکھنا چاہئے؟ مکتوبات نبوی کے ایک ایک لفظ سے مخاطب کے لیے ہمدردی و خیر اندیشی کے جذبات ٹپکتے ہیں، سرور عالم ﷺ کے خطوط میں طوالت، تکلف و تصنع اور بیان کی شوخی کی بجائے لطافت، انشا پردازی، سادگی، حقیقت پسندی اور ایجاز و اختصار کا پہلو نمایاں ہے، ان میں پیغمبرانہ امانت وصداقت اور انتہائی عزم و یقین کے ساتھ حق کی دعوت ہے، ان خطوط میں تبلیغی جذبے کی آبیاری کا سامان بھی ہے اور تزکیۂ باطن و اصلاح نفس کے لیے رہنمائی بھی، اصول دین کی تبلیغ بھی ہے اور اسلام کے احکام و مصالح اور تشریعی مسائل کا تذکرہ بھی۔ آپ ﷺ نے شاہانِ عالم کے نام جو خطوط ارسال فرمائے ہیں وہ اس امر کی واضح دلیل ہیں کہ آپ ﷺ کی نبوت و رسالت فقط جزیرۂ عرب کے ساتھ مخصوص نہیں تھی، بلکہ پوری کائنات کے لیے ہے۔ ☆☆☆☆☆

گوشۂ ادب

عصر حاضر کی شاہ کار تفسیر ''تفسیر اشرفی''

پروفیسر محمد عبدالحمید اکبر

تفسیر کا لغوی معنی کشف اور ظاہر کرنا ہے اور اصطلاحی معنی ہے واضح لفظوں کے ساتھ آیت کے معنی کو بیان کرنا، اس سے مسائل مستنبط کرنا، اس کے متعلق احادیث وآثار بیان کرنا اور اس کا شان نزول بیان کرنا۔ (۱)

تفسیر اور تاویل کا فرق: جس لفظ کا صرف ایک معنی ہو اس کو بیان کرنا تفسیر ہے اور جس لفظ کے کئی معانی ہوں تو دلیل شرعی سے کسی ایک معنی کو بیان کرنا تاویل ہے امام ماتریدی نے کہا ہے کہ قطعیت سے بیان کرنا کہ اس لفظ کا یہ معنی ہے اور اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ تعالی نے اس لفظ کے یہ معنی مراد لیا ہے۔' لہذا اگر کسی دلیل قطعی کی بنا پر یہ شہادت دی گئی ہے تو یہ تفسیر صحیح ہے ورنہ بالرائے ہوگی اور یہ منع ہے اور لفظ کے کئی محتملات میں سے کسی ایک احتمال کو بغیر قطعیت اور شہادت کے متعیّن کرنا تاویل ہے۔ (۲)

قرآنِ حکیم کی تفسیر اور اس کی اہمیت کو اُجاگر کرتے ہوئے حضرت ابن عباس کا فرمان ہے، کہ جو شخص قرآن پڑھتا ہے اور اس کی تفسیر نہیں جانتا تو وہ نہایت سرعت کے ساتھ اشعار پڑھنے والے کی طرح ہے۔

قرآن حکیم کی تفسیر کے لیے ضروری علوم سے متعلق علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

(۱) قرآن مجید کی تفسیر میں علم لغت کی ضرورت ہے کیوں کہ علم لغت کے ذریعے مفردات قرآن کے وضعی معنی معلوم ہوتے ہیں۔

(۲) صرف ونحو کے قواعد کا علم ضروری ہے کیونکہ اس کے ذریعے قرآن مجید کی حرکات اور اعراب کا علم ہوتا ہے اور یہ پتا چلتا ہے کہ فلاں اعراب وحرکت کے لحاظ سے قرآن مجید کا کیا معنی ہیں۔

(۳) معانی بیان اور بدیع (فصاحت وبلاغت) کے علم کی ضرورت ہے کیوں کہ اس کے ذریعے مقتضائے حال کے اعتبار سے معانی حقیقت' مجاز اور کنایات کے مختلف پیرایوں کے اعتبار سے قرآن کے معانی اور تحسین کلام کا علم ہوتا ہے۔

(۴) علم حدیث کی ضرورت ہے اس سے اسباب نزول کا علم ہوتا ہے۔

(۵) علم اصول فقہ کی ضرورت ہے اس سے قرآن مجید کے عام' خاص' مطلق' مقید اور امر ونہی کی دلالت کا علم ہوتا ہے۔

(۶) علم کلام کی ضرورت ہے تاکہ معلوم ہو' کہ اللہ تعالی کے لیے کیا چیز جائز ہے اور کیا محال ہے اور نبی کی صفات اور اس کے مقام کا علم ہو۔

(۷) علم قرأت کی ضرورت ہے۔ تاکہ بعض قراءت راجح ہونے کی وجہ معلوم ہو سکے۔ (۳)

مفسرین کے مختلف طبقات میں ایک ایک فن پر تفسیریں لکھی گئیں جن میں چند تفاسیر قابل ذکر ہیں :

(۱) قرآن مجید کی فصاحت وبلاغت کے لحاظ سے معتزلی عقائد کے حامل جار اللہ زمخشری کی تفسیر ''تفسیر کشاف'' ہے۔ جو دینی وعصری جامعات میں شریک نصاب بھی ہے۔

(۲) لغوی معنی کے اعتبار سے امام راغب اصفہانی کی 'المفردات۔ اور ابو زکریا یحییٰ بن زیاد کی 'معانی القرآن' ہے۔

(۳) صرفی ونحوی مباحث کے موضوع پر علامہ زجاج نے تفسیر 'معانی القرآن' لکھی جب کہ علامہ واحدی نیشاپوری کی 'البسیط' کے نام سے تفسیر ہے۔ نحو کے علاوہ دیگر علوم اور مباحث میں علامہ ابوحیان محمد بن یوسف اندلسی کی 'البحر المحیط' نہایت عمدہ تفسیر سمجھی جاتی ہے۔

(۴) فقہی مسائل کے استنباط اور تحقیق کی طرف توجہ دیتے ہوئے علامہ ابوبکر احمد بن علی رازی جصاص حنفی نے 'احکام القرآن' تحریر کی اور علامہ قرطبی نے اس موضوع پر ۲۰ جلدوں میں جامع تفسیر لکھی، ملا احمد جیون حنفی نے احکام سے متعلق آیات کی ایک جلد میں مختصر تفسیر لکھی جو 'التفسیرات الاحمدیہ' کے نام سے دستیاب ہے۔

(۵) بعض مفسرین نے عقائد کے مباحث کے علاوہ اپنے زمانے کے گمراہ فرقوں کا رد کیا۔ ان میں امام فخر الدین رازی کی 'تفسیر کبیر' مشہور ترین تفسیر ہے۔ اس میں معتزلہ' جبریہ' قدریہ اور رافضیہ کا بہت رد کیا گیا ہے۔ اور آیات قُرآنیہ سے بہت نفیس اور عمدہ نکات کا استنباط کیا ہے۔ فقہ شافعی کو ترجیح دی گئی ہے۔ آیات کا شان نزول بیان کیا گیا ہے۔ اور احادیث بھی ذکر کیے گئے ہیں امام رازی سے پہلے ایسی جامع تفسیر کسی نے نہیں لکھی۔

صدر شعبۂ اردو وفارسی، گلبرگہ یونیورسٹی گلبرگہ

(۶) وعظ ونصیحت ' ادب، اخلاق اور تصوف سے متعلق مباحث میں تفسیر روح البیان علامہ اسمٰعیل حقی کی تفسیر ہے۔ حقائق اشیا' طریقت ومعرفت کے رموز میں ابن عربی کی تفسیر عرائس البیان ہے۔

(۷) متاخرین میں علامہ سید محمود آلوسی حنفی متوفی ۱۲۷۰ھ کی تفسیر 'روح المعانی' بہت عمدہ اور جامع تفسیر ہے علامہ طنطاوی جوہری نے قرآن حکیم کی سائنسی تفسیر 'الجواہر فی تفسیر القرآن' لکھی۔

(۸) اردو تفاسیر میں مفتی احمد یار خان نعیمی اشرفی کی 'تفسیر نعیمی' بہت مبسوط تفسیر ہے۔

(۹) پیر محمد کرم شاہ ازہری کی ضیاء القرآن ۵ جلدوں میں تفسیر کی عبارت اردو ادب کا بہترین شاہکار ہے اس میں مسلک صوفیہ کو ترجیح دی گئی ہے۔

(۱۰) علامہ غلام رسول سعیدی نے ۱۲ جلدوں میں تبیان القرآن' کے نام سے تفسیر لکھی جو اہل سنت وجماعت کی نمائندگی کرتی ہے۔

(۱۱) سید ابو الاعلیٰ مودودی کی "تفہیم القرآن" (چھ جلدوں میں) توہب کی ترجمان ہے۔

(۱۲) مفتی محمد شفیع کی 'معارف القرآن' (۸ جلدوں میں) افکارِ دیابنہ کی علم بردار ہے۔

(۱۳) شیخ امین اصلاحی کی 'تدبر قرآن (۹ جلدوں میں) احمد فراہی کی فکر کے تابع ہے۔

ہمارے ملک ہندوستان میں قرآن حکیم کا فارسی زبان میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے فتح الرحمن کے نام سے ترجمہ کیا ان کے فرزند شاہ عبد القادر نے اردو میں اس کا ترجمہ " موضح القرآن'' کے نام سے کیا ہے دوسرے فرزند شاہ محمد رفیع الدین نے اردو میں ہی قرآن کریم کا ترجمہ کیا۔ اس کے بعد پھر کچھ دوسرے ایسے تراجم سامنے آئے جو خدا اور رسول کے آداب کو ملحوظ خاطر نہیں رکھ سکے۔ طرفہ یہ کہ انہی دشمنان تقدس رسالت نے ولی اللّٰہی خانوادوں کے ترجموں میں حسب منشا تحریف کی جس کے ذریعے انبیا واولیا کی شان میں گستاخی ثابت ہوئی، اس طرح فہم قرآن کے ایک نئے مکتب فکر کی بنیاد رکھی گئی۔

ایسے دَورِ پُر آشوب میں قرآن حکیم کے صحیح اور منشائے الٰہی کی تکمیل جس ترجمہ سے ہو سکتی ہو وہ ترجمہ کیا جائے امام احمد رضا نے کنز الایمان کے نام سے قرآنِ حکیم کا بامحاورہ ترجمہ کیا جسے اہل علم نے خوب سراہا۔ لیکن ربع صدی کے بعد مزید آسان اور عام فہم انداز کے ترجمہ کی ضرورت تھی۔ حضرت شیخ الاسلام سید شاہ محمد مدنی اشرفی جیلانی مد ظلہ النورانی کے الفاظ میں ملاحظہ ہو:

" اس ضرورت کو محدثِ اعظم ہند نے شدت کے ساتھ محسوس کیا اور اپنی تبلیغی مصروفیتوں کے باوجود قرآن مجید کے ترجمہ وتفسیر کا قصد فرمایا۔ ۶/ ذی الحجہ ۱۳۶۶ھ پورے قرآن پاک کا ترجمہ ختم فرما کر تفسیر کی طرف متوجہ ہوئے۔" [(۴)]

حضرت شیخ الاسلام آگے لکھتے ہیں :

"حضرت محدثِ اعظم کے اس ترجمہ سے پہلے امام احمد رضا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مبارک ترجمہ "کنز الایمان " ہمارے سامنے آچکا تھا جس نے قرآن فہمی کے سارے باطل اسکولوں کی دھجیاں اُڑادی ہیں۔ اور ملت اسلامیہ پر ابر رحمت بن کر سایہ گستر رہا۔ لیکن ہمارے اس مجدد کی جملہ تصانیف کی طرح یہ ترجمہ بھی علما کے لیے مخصوص ہو کر رہ گیا۔" [(۵)]

تفسیر کے بارے میں رقم طراز ہیں :

"تفسیر صرف ۳ پارے اور چند رکوع ہی کی ہو سکی تھی کہ حضرت ہم غم نصیبوں کو داغ مفارقت دے کر اللہ کو پیارے ہو گئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ گھر میں تلاش کرنے کے بعد صرف ایک پارے کی تفسیر مل سکی۔ بقیہ دو پارے کی تفسیر خدا ہی بہتر جانتا ہے کس کے ہاتھ لگی۔" [(۶)]

علم تفسیر میں محدثِ اعظم ہند کی صلاحیت و قابلیت سے متعلق حضرت علامہ مدنی میاں کچھ اس طرح اظہارِ خیال فرماتے ہیں :

"لیکن اسی ایک پارے کی تفسیر سے یہ پتہ لگانا مشکل نہیں کہ حضرت اپنے اندر علم تفسیر میں ایک قوتِ راسخہ رکھتے تھے اور آپ کو علم تفسیر کے تمام فروعات پر پورا ملکہ حاصل تھا۔ سلاستِ بیان کا تو کیا پوچھنا زبان کے تو بادشاہ تھے ہی انداز بیان کچھ ایسا ہے کہ تفسیر پڑھنے والے پر ایک محویت طاری ہو جاتی ہے۔" [(۷)]

امام احمد رضا نے حضرت محدثِ اعظم ہند کے ترجمہ قرآن بنام "معارف القرآن" کی ابتدائی چند آیات کا ترجمہ ملاحظہ فرمایا اور کہا تھا کہ:

"شہزادے! آپ اُردو میں قرآن لکھ رہے ہو اگر وہ اس تفسیر (اشرفی) کو دیکھتے تو بلا شبہ کہتے کہ" شہزادے آپ اُردو میں جلالین لکھ رہے ہو۔" [(۸)]

حضرت شیخ الاسلام علامہ سید شاہ محمد مدنی اشرفی جیلانی نے اپنے والد بزرگوار حضرت محدثِ اعظم ہند کے اس ترجمہ وتفسیر کے مطمح نظر کو اُجاگر کرتے ہوئے لکھا ہے:

"تفسیر وترجمہ دونوں کا مطمح نظر ایک ہی تھا کہ خواندہ، ناخواندہ ہر شخص اس سے بحسن و خوبی فائدہ حاصل کر رو سکے۔ اسی لیے ترجمہ میں حتی

الامکان عربی اور فارسی سے اجتناب کیا ہے اور آسان سے آسان ترین لفظ کو اپنایا ہے۔ مثلاً:

یتربصن بانفسھن ثلٰثۃ قُروء ، میں حضرت نے قروء کا ترجمہ حیض کی بجائے " ماہواری " فرمایا ہے۔ ایسے ہی انا ارسلنٰك شاھداً میں شاہد کا ترجمہ بجائے " حاضر وناظر " کے " چشم دید گواہ " اختیار فرمایا ہے۔"(۹)

سورۂ فاتحہ میں وایاک نستعین کے ترجمہ و تفسیر میں محدث اعظم ہند لکھتے ہیں :

" یا اللہ ہمارا بھروسہ تجھ ہی پر ہے (اور تیری ہی مدد چاہیں) یہ ہمارا توکل ہے جو تو نے اپنے کرم سے عطا فرمایا ہر مدد کرنے والے ہاتھ میں تیرا ہاتھ ہمیں صاف نظر آتا ہے۔ اولیا، انبیا نے جو کچھ مدد فرمائی ہے اور فرما رہے ہیں اور فرماتے رہیں گے، لیکن ہم نے ہر مدد میں تیری ہی مدد دیکھی جس سے مدد مانگی تیرا سمجھ کر، تیری مدد کا مظہر جان کر۔ جو اس کے خلاف ہے تجھ پر توکل نہیں رکھتا۔ (سید التفاسیر معروف بہ تفسیر اشرفی جلد اول ص:۶۶)

محدثِ اعظم ہند کے ترجمہ و تفسیر کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے جانشینِ محدثِ اعظم ہند رقم طراز ہیں :

" ہر پچھلا جملہ آنے والے جملے کا اتنا منتظر بنا دیتا ہے کہ اس کو پڑھے بغیر (قاری کو) تسکین ہی نہیں ہوتی (حضرت نے) قرآن کے لفظی ترجموں کو تفسیر کی عبارتوں میں اس طرح سے ضم کر دیا ہے کہ پڑھنے والا احساس نہ کر سکے۔ اور تفسیر کے ساتھ ساتھ قرآن کے ترجموں کی تلاوت ہو جائے۔ اور قُرآن کا صحیح مطلب سلیس اور واضح طور پر سامنے آجائے۔ قرون اولیٰ سے لیکر آج تک کے تمام تخریب پسند حضرات کے ذہنوں کے اختراعی اعتراضات تفسیر پڑھتے ہی ہوا، ہو جاتے ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کے حضرت علیہ الرحمۃ نے علمائے متقدمین و متاخرین کی تفاسیر کے جوہر پاروں اور ان کے لب لباب کو خطابت و سلاست کا جامہ پہنا کر نذر قرطاس کر دیا ہے۔ روایت و درایت کا ایسا حسین امتزاج جہاں اگر ایک طرف سعدی کی زبان کی شیرینی ہے تو دوسری جانب رازی و غزالی کے حسن تدبر کے جلوے، اسی تفسیر کے مخصوصات میں سے ہیں۔"(۱۰)

محدثِ اعظم ہند کے اسی منہج و اسلوب تفسیر کے پیش نظر گلبرگہ شریف میں راقم الحروف کے ایک سوال پر جانشین محدثِ اعظم ہند نے فرمایا تھا کہ ابھی تک مجھے حضرت کے اس تفسیری ڈھنگ کا اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا لیکن اب وہ طرز بیان میرے ادراک کا حصہ بن گیا ہے۔ اور اگر یہ جلسے والے مجھے میرے اس کام میں حائل نہیں ہوں گے تو سال بھر کے عرصے میں یہ کام ہو سکتا ہے ورنہ دو سال تو لگے ہونگے ہی۔ چناں چہ حضور شیخ الاسلام نے دس جلدوں میں اس کی تکمیل فرمائی اور سید التفاسیر المعروف بہ تفسیر اشرفی اس کا نام رکھا۔

حضور شیخ الاسلام کو تفسیر اشرفی کی تکمیل میں جہاں دیگر کئی علما و مشائخ اہلِ سلسلہ اور مریدین و معتقدین کی گزارشات و معروضات شامل رہیں وہیں ان سب سے بڑھ کر حضور شیخ الاسلام کی اہلیہ محترمہ کا اصرار بھی شامل معلوم ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں حضور مدنی میاں کے بھانجے ڈاکٹر طارق سعید لکھتے ہیں :

" اپنی شدید بیماری کے عالم میں جس کا دَور ڈھائی سے تین سال تک چلا ہوگا اور انجام کار سانحۂ ارتحال پر ختم ہوا۔ (وہ) حضرت مدنی میاں کے لیے تبلیغ دین کی شدید خواہش رکھتی تھیں ۔ یہاں تک کہ عین مرض الموت کے عالم میں تفسیر قرآن کی تاکید کرتیں اور بار بار تقاضا کرتیں کہ مولانا یہ کام میری زندگی میں نہ سہی لیکن اس کام کو یکسوئی سے مکمل کرنا ہی ہے۔ حسرت سے مولانا ماموں (مدنی میاں قبلہ) کو دیکھتیں کہ کاش! میں ان کو دوا، غذا اور شب و روز کے معمولات میں پھر اسی قوت سے معاونت کر پاتی جیسا کہ تمام زندگی شریک سفر رہی۔ بار بار کہتیں کہ مولانا! آپ میری پروانہ کریں میری فکر میں اپنے انہماک کو خطرے میں نہ ڈالیں، میری عیادت سے زیادہ اہم آپ کی عبادت ہے۔ جو ذکرِ الٰہی کی صورت میں "تفسیر اشرفی " بن کر آج ہمارے سامنے ہے۔"(۱۱)

سید التفاسیر معروف بہ تفسیر اشرفی دس (۱۰) جلدوں میں شائع ہو کر منظر عام پر آچکی ہے۔ جلد اول ۳۰ پاروں پر مشتمل ہے، پارہ اول کے مفسر حضرت محدث اعظم ہند علامہ سید محمد اشرفی جیلانی قدس سرہ ہیں۔ اور پارہ دوم و سوم کے مفسر شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد مدنی اشرفی جیلانی مد ظلہ النورانی ہیں جس کی اشاعت شعبان ۱۴۲۹ھ بمطابق اگست ۲۰۰۸ء میں ہوئی۔ گلوبل اسلامک مشن، انک (نیو یارک، یو ایس۔اے) سے ۵۰۰ کی تعداد میں چھپ کر اہل علم و عرفان سے پذیرائی حاصل کر رہی ہے۔

محدثِ اعظم ہند نے سورہ فاتحہ کا شناس نامہ دیتے ہوئے کوئی بیس (۲۰) مختلف نام اس کے گنوائے ہیں۔ سورۂ فاتحہ کے ترجمہ و تفسیر کے بعد ، سورۂ بقرہ کی آیت ۷ " خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَ عَلٰی سَمْعِھِمْ وَ عَلٰی اَبْصَارِھِمْ غِشَاوَۃٌ وَّ لَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْم" کا شاندار ترجمہ اور ثمر دار تفسیر ملاحظہ ہو: یعنی

"مہر لگادی اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کی سماعت پر، اور ان کی آنکھوں پر گہرا پردہ ہے۔"

تفسیر: ان کو سمجھ لو کہ (مہر لگادی اللہ نے اُن کے دِلوں پر) کہ دل قبولِ حق سے محروم ہوگیا۔ (اور ان کی سماعت پر) کہ آوازِ حق سننے سے بہرے بن گئے ہیں، (اور ان کی آنکھوں پر گہرا پردہ ہے) اندھوں کو حق سوجھا نہیں پڑتا (اور انہی) جیسوں (کے لیے) خدا کا (عذاب ہے) وہ بھی معمولی عذاب نہیں، بلکہ (بہت بڑا) جس کی سختی کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔

مذکورہ آیت کی تفسیر میں حضرت محدث اعظم ہند نے کفایت لفظی کا کس قدر اہتمام فرمایا ہے قوسین میں دئے گئے ترجمہ میں دلوں پر مُہر کی مناسبت سے قُبولِ حق سے محرومی، سماعت پر مہر کے لحاظ سے آوازِ حق سننے سے بہرے ہونا اور آنکھوں پر پردہ پڑے رہنا کے اعتبار سے اندھوں کو حق سوجھا نہیں پڑتا وغیرہ، جیسے جملوں اور فقروں سے ادب عالیہ یا ادبِ لطیف کی شاندار روایت ان کے یہاں زندہ اور تابندہ ہے۔

پارہ اول سورۂ بقرہ کی آیت ۱۲۰ کا آخری حصّہ "مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ "یعنی "نہ ہوتا تمھارے لیے اللہ والوں سے کوئی یار اور نہ کوئی مددگار"۔ اس کی تفسیر میں محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ اہل سنت وجماعت کے افکار و نظریات کی بہترین ترجمانی کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"جو اللہ کی طرف سے آئے ہیں، جو نفوسِ قدسیہ اللہ کی مدد کرتے ہیں اور جن کو قرآن کی زبان میں من اللہ کہا جاتا ہے وہ من دون اللہ کہلانے والی ہستیوں سے نہیں ہیں جو سب کی سب جہنم کے ایندھن ہیں۔ بلکہ وہ من اللہ، یعنی اللہ کی طرف سے "شعائر اللہ" یعنی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی عزت رکھتے ہیں۔"

مزید وضاحت کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں کہ:

"ان جنتیوں اور مقدس طبقہ میں سے (کوئی یار اور نہ کوئی مددگار) کیوں کہ کافروں کی یاوری کرنا اور اُن کی مدد کرنا ان کا کام ہی نہیں۔ خصوصًا قیامت کے دن، کہ وہاں بے یار و مددگار رہنا صرف کافروں ہی کے لیے ہے۔ اور تمھارا یہ حال ہے کہ طبقہ من اللہ میں سے فرشتے ہوں، انبیا ہوں، صدیقین ہوں، شہدا ہوں، صالحین ہوں سب تمھارے دین کی مدد میں موجود ہیں۔ تو اب تم ان میں سے نہیں رہے کہ جن سے دینِ کفر کے قبول کرنے کی توقع جائز ہو۔"(۱۲)

قرآن حکیم کے دوسرے پارے "سیقول" سے "عم یتسآءلون" تک حضور شیخ الاسلام نے حضور محدثِ اعظم ہند کے اسی منہج و اسلوب پر "تفسیر اشرفی" کی تکمیل فرمائی۔ حضرت سید شاہ محمد محمد الحسینی سجادہ نشین بارگاہ حضور بندہ نواز علیہ الرحمۃ گلبرگہ شریف کی زیرِ نگرانی کے۔ بی۔ این۔ انجینیرنگ کالج میں فی البدیہ جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کے عنوان پر علامہ سید محمد مدنی میاں قبلہ نے نہایت پُر اثر، پُر مغز اور جامع خطاب فرمایا تھا اور اُس وقت ارسطو، افلاطون، جالینوس اور بطلیموس جیسے دانشوروں کے حوالے دئے تھے۔ اسی مجلس میں عزت مآب حضرت سجادہ نشین قبلہ نے اپنے تأثرات میں شیخ الاسلام کو "بحر العلوم" فرمایا تھا۔ مدنی میاں کے زمانۂ طالب علمی میں ظفر ادیبی جیسی امام المعقولات شخصیت بھی "شمس بازغہ" کی کسی عبارت پر اپنے شاگرد علامہ مدنی سے فرماتے ہیں کہ ذرا دیکھیے یہاں مصنف کیا کہنا چاہ رہے ہیں۔ مدنی میاں نے جب اس کی وضاحت کردی تو علامہ ظفر ادیبی مدنی میاں کی اس وضاحت کو سُن کر مطمئن و مسرور ہوگئے۔ ایسا کیوں نہ ہو کہ اللہ عزوجل نے انہیں بیک وقت مختلف اوصاف سے متّصف فرماکر فقید المثال شخصیت بنادیا ہے۔ ان اوصافِ حمیدہ کو مولانا سید سیف الدین اصدق کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں :

"آپ جہاں کلام الٰہی کے رمز شناس مفسر ہیں، وہیں ذخیرۂ احادیث کے فہیم بھی، علم فقہ پر دسترس رکھنے والے فقیہ ہیں تو وہیں ایک نکتہ رس معقولی بھی، علم کلام کے اگر ماہر ہیں تو بحرِ تحقیق و تدقیق کے شناور بھی، شائستہ و پاکیزہ شاعری کا گر ذوق رکھتے ہیں تو وہیں ایک سلامت رَو ادیب بھی، فصاحت و بلاغت سے مزین اگر تاج دارِ خطابت ہیں تو تصوفِ حقیقی سے آراستہ ایک خانقاہی فقیر بھی۔" (۱۳)

عصر حاضر کی مایۂ ناز علمی و روحانی شخصیت حضرت علامہ سید شاہ محمد مدنی اشرفی الجیلانی مدظلہ النورانی جو ہر زاویۂ فکر و نظر سے علمی دنیا میں بے حد معروف ہیں۔ تقریبًا بیس (۲۰) کتابیں نثر میں اور دو (۲) مجموعہ ہائے کلام شائع ہوکر علمی و ادبی دنیا سے خراجِ تحسین حاصل فرما چکے ہیں۔

حضرت شیخ الاسلام نے اپنے والدِ بزرگوار کے اس چھوڑے ہوئے کام کو پایۂ تکمیل تک بہ حسن و خوبی پہنچانے کا بیڑہ اُٹھایا، اور اُسے خوب نبھایا بھی۔ حضور شیخ الاسلام ہی کا یہ حق تھا اور جانشینی کی بنیاد پر غالبًا فرض بھی۔ "سید" دراصل حضرت محدثِ اعظم ہند کا تخلص ہونے کے ساتھ ساتھ یہ ان کے نام نامی اسم گرامی کا ایک اہم جُزو بھی ہے۔ اس لیے حضور شیخ الاسلام نے ایک لائق و فائق فرزند دلبند ہونے کی نسبت، اپنے والدِ محترم کی جانب اس تفسیرِ اشرفی کو منسوب کرتے ہوئے اس کا نام "سید التفاسیر

" رکھنا مناسب جانا۔

مولانا ضیاء الرحمٰن علیمی اپنے وقیع مقالے "شیخ الاسلام کی قلمی خدمات" مشمولہ ماہ نامہ جامِ نور خصوصی شمارہ اپریل ۲۰۱۱ء ص:۱۸۹۔۹۰ لکھتے ہیں :

" یہ تفسیر حضرت مصنف کا تحریری شاہ کار ہے ....کلامِ الٰہی کے تفسیری اثاثے میں یہ ایک شاندار اضافہ ہے۔ اور خاص طور سے اُن لوگوں کے لیے مفید ہے جو سیدھے اور سہل انداز میں قُرآن کے معانی و مفاہیم کو سمجھنا چاہتے ہیں۔ اور اس کے تفصیلی علمی مباحث میں نہیں پڑنا چاہتے۔ اور خود حضرت مصنف کے بقول: اس میں معتبر تفاسیر کا خلاصہ پیش کر دیا گیا ہے۔ اور فنی بحثوں کو نہیں چھیڑا گیا ہے۔ اختلافی احکام و مسائل میں فقہ حنفی کی رو سے وضاحت کی گئی ہے۔ اور دلائل سے ممکنہ حد تک احتراز کیا گیا ہے۔ کیوں کہ مقصد صرف قُرآن کی تفہیم ہے، لہٰذا نہ اس قدر اختصار ہے کہ معانی واضح نہ ہو سکیں اور نہ اس قدر تفصیل کہ آیات کی تفہیم سے اس تعلق نہ ہو۔"

فاضل مقالہ نگار مزید رقم طراز ہیں :

"اُسلوب سادہ اور مصنف کے عام علمی منہج سے ہٹ کر ہے۔ البتہ زبان و بیان پر عربیت غالب ہے۔ جس کی وجہ سے عام قاری کو کچھ دشواری ہو سکتی ہے۔ قارئین کی اس دشواری کو سمجھتے ہوئے اخیر میں مشکل الفاظ کی ایک ڈکشنری تیار کر دی گئی ہے۔ اور اُمید ہے کہ اس کی وجہ سے عام قارئین کے لیے استفادہ کی راہیں آسان ہو جائیں گی۔

حضور شیخ الاسلام اپنے اس تفسیری کام کے سلسلے میں رقم فرماتے ہیں :

" میرا یہ تفسیری حاشیہ در اصل معتبر کتب تفاسیر کا میرا حاصلِ مطالعہ ہے۔ جس کے گہربائے آبدار کو میں نے مخدوم الملت قدس سرہٗ (محدثِ اعظم ہند) کے اسلوبِ نگارش کی پیروی کرتے ہوئے، ترجمہ " معارف القرآن" کی لڑیوں میں پرو دیا ہے۔ بس صرف یہ، پرو دینے والا عمل، میرا ہے، باقی اس میں جو کچھ ہے وہ سب جلیل القدر مفسرین کی تحقیقات وارشادات ہیں۔"

ان مذکورہ حقائق کی روشنی میں ہم یہ کہ سکتے ہیں کہ حضور مدنی میاں قبلہ نے جہاں مختلف علوم وفنون اور تفسیر کی امہات الکتب کا مطالعہ فرمایا ہے، وہیں پر اُصولِ فقہ، اُصولِ حدیث کے ساتھ ساتھ اُصولِ تفسیر میں شاہ ولی اللہ محدثِ دہلوی کی معروف و متداول تصنیف " الفوز الکبیر فی اُصول التفسیر" جیسی کتابیں بھی یقیناً مفسر محترم کی زیرِ مطالعہ رہی ہیں۔ حضرت شیخ الاسلام نے ناسخ و منسوخ کے موضوع پر بھی عمدہ بحث فرمائی ہے۔ چنانچہ سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۲۴۰ والذین یتوفون منکم.... الخ۔ (ترجمہ : اور جو وفات دیے جائیں تم میں سے اور چھوڑیں بی بیاں، وہ کریں وصیت اپنی بی بیوں کے لیے نان نفقہ کا سال بھر تک بغیر گھر سے نکالنے کے پھر اگر عورتیں خود نکل جائیں تو تم پر کوئی الزام نہیں، اُمیں جو اُنہوں نے کر لیا اپنے متعلق کوئی مناسب امر۔ اور اللہ غلبہ والا حکمت والا ہے۔) کی تفسیر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں :

" یہ ابتدائے اسلام کے احکامات ہیں۔ جب کہ شوہروں کے گھروں میں رہنا اُن کے لیے ضروری نہیں تھا۔ اور نہ سوگ واجب، بلکہ اُنہیں ان اُمور پر اختیار تھا کہ شوہروں کے گھر میں رہ کر نان نفقہ لیں... یا ...پھر گھروں سے چلی جائیں اور پھر نان نفقہ کا کوئی مطالبہ نہ کریں۔ خیال رہے کہ مذکورہ بالا وصیت کا وجوب ' آیت میراث' کے نزول سے پہلے کا حکم ہے۔ جب آیت میراث نے اس کو شوہر کا وارث بنا دیا، اور اولاد نہ ہونے کی صورت میں چوتھائی، اور اولاد ہونے کی صورت میں آٹھویں کا حقدار بنا دیا، تو اب سال بھر کا قیام وطعام کا حکم منسوخ ہو گیا... یوں ہی جب چار مہینہ دس دن کو عدت وفات مقرر کر دیا گیا تو پھر سال بھر کی عدت والا حکم بھی منسوخ ہو گیا۔"

"تفسیرِ اشرفی" کی خصوصیات: پہلی جلد کے سوا۔

(۱) ہر جلد کے آخر میں لغات (فرہنگ) کا اہتمام رکھا گیا ہے۔ متنِ تفسیر کے چند مشکل الفاظ کے معانی کو قارئین کی آسانی کے لیے اخیر میں " تشریحِ لغات" کے عنوان سے درج کیا گیا ہے۔

(۲) " دلچسپ نوٹ" کے تحت تفسیرِ اشرفی کی مثلاً جلدِ سوم کے متن تفسیر میں ۱۰،۸۸،۳۷۰ حروف، ۱،۱۷،۷۴۵ الفاظ، ۸،۷۷۹ سطریں، اور ۳،۵۰۵ پیرگراف شامل ہیں۔

(۳) حضرت محدثِ اعظم ہند کے ترجمہ قرآن کی ضروری تشریحات جو منشائے ربانی کی تفہیم میں معاون و مددگار ثابت ہو سکتے ہوں، تحریر کر دے ہیں، جسے ان کے چودہ سو سالہ اسلاف کی تفاسیر کے مطالعے کا خلاصہ یا عطر سمجھا جا سکتا ہے۔ پھر کہیں کہیں اس کے مطالب و مفاہیم، قدرے تفصیل سے بیان کیے ہیں، اور کہیں شانِ نزول بھی بتانے کی سعیٔ بلیغ کی گئی ہے۔

(۴) ترجمہ کی تشریح و تفسیر کو اس خوبی سے اگلی آیت کے مفہوم سے مربوط فرماتے ہیں، کہ ترسیلِ مفہوم میں کوئی رکاوٹ یا اشکال باقی

نہیں رہ جاتا، بلکہ تفہیمِ مطالب کے لیے راستہ مزید صاف اور شفاف محسوس ہوتا ہے۔

(۵) ایسا لگتا ہے کہ، حضور شیخ الاسلام نے ترجمہ کی مختصر جامع توضیحات وتشریحات کے بعد بھی مزید وضاحت کر دینا جہاں ضروری سمجھتے ہوں وہاں نسبتاً باریک سائز کے الفاظ میں اپنے تاثرات قلمبند فرما دئے ہوں اور یہ تاثرات بھی پچھلی معتبر، مستند اور مروج تفاسیر کے مطالعے کے نتیجے میں مفسرِ محترم حضور شیخ الاسلام کی فکر کا حصہ بن گئے ہوں۔

(۶) تفسیری نوٹ میں ترجمہ محدث اعظم کے الفاظ کو قوسین میں قدرے موٹے فونٹس کے ساتھ محفوظ کر دیا گیا ہے۔

(۷) جہاں کہیں کوئی عبارت عنوان مضمون یا مرکزی خیال بن کر اُبھر رہی ہوتی ہے اُسے ہلکی سیاہی مائل پلیٹ میں سجا دیا گیا ہے تاکہ مطالعہ کار اس کی طرف بھی بطورِ خاص توجہ رکھ سکے۔ مثلاً: مسلم نما منافق اور اُس کی ٹیم کا تجزیہ کرنے کے بعد یہ جملہ مرکزی حیثیت کا حامل بن جاتا ہے بلکہ اسلامی عدالت کی رولنگ Ruling بنتا دکھائی دیتا ہے۔

کفر و شرک اور نبی کی مخالفت اور آپ کی گستاخی کرنے والوں سے توبہ کی توفیق چھین لی جاتی ہے۔ (۱۴)

متذکرہ بالا شواہد کی بنیاد پر یہ کہنا حق بہ جانب ہوگا کہ "تفسیرِ اشرفی" عصرِ حاضر کی شاہ کار تفسیر ہے، جسے حضور شیخ الاسلام علامہ سید محمد مدنی میاں اشرفی جیلانی مدظلہ النورانی کے علمی کارناموں میں گُلِ سرِ سَبَد کی حیثیت حاصل رہے گی۔ ☆☆☆☆☆☆

---

(۱) - کتاب التعریفات — ص ۱۳۸ از علامہ میر سید شریف

(۲) - مقدمہ تبیان القرآن ص ۱۲۴ از علامہ غلام رسول سعیدی

(۳) - روح المعانی ج: اول، ص: ۶

(۴) - محدثِ اعظمِ ہند اور تفسیر و ترجمہ قرآن۔ جامِ نور دہلی ص ۱۵۲ / اپریل ۲۰۱۱ء

(۵) - ایضاً ص: ۱۵۴ (۶) - ایضاً (۷) - ایضاً

(۸) - شیخ الاسلام آبروئے علم و فن۔ مضمون از: مولانا سید سیف الدین اصدق مشمولہ ماہنامہ جامِ نور دہلی شمارہ اپریل ۲۰۱۱ء

(۹) - محدث اعظم ہند اور تفسیر و ترجمۂ قرآن، مضمون مشمولہ ماہ نامہ جامِ نور ص ۱۵۲ شمارہ اپریل ۲۰۱۱ء (۱۰) - ایضاً، ص: ۱۵۳

(۱۱) - شیخ الاسلام حیات و خدمات، ماہ نامہ جامِ نور ص ۷۷ شمارہ اپریل ۲۰۱۱ء

(۱۲) - سید التفاسیر، جلد اول ص: ۱۴۴

(۱۳) - ماہ نامہ جامِ نور ص: ۷۹ شمارہ اپریل ۲۰۱۱ء ، "شیخ الاسلام" آبروئے علم و فن

(۱۴) - سید التفاسیر ج: ۲ ص: ۲۵۹

(ص: ۵۳ کا بقیہ)

نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسین وہی طٰہٰ

(۵) موصوف اس بات کے بھی قائل ہیں کہ آپ جیسا کوئی دوسرا نہیں اللہ نے آپ کو بے نظیر و بے مثل پیدا کیا ہے۔

عبد دیگر عبدہ چیزے دیگر ماسراپا انتظار او منتظر
عبدہ با ابتدا بے انتہا است عبدہ را صبح و شام ما کجا است

(۶) موصوف رحمت عالم ﷺ کو حرف ندا سے خطاب کے جواز کے قائل ہیں، نیز استغاثہ کے بھی قائل ہیں جیسا کہ ان کا شعر اس بات پر شاہد ہے

کرم اے شہ عرب و عجم کہ کھڑے ہیں منتظر کرم
وہ گدا کہ تو نے عطا کیا ہے جنہیں دماغ سکندری

(۷) موصوف ماں باپ کے قدم بوسی کے بھی قائل ہیں نیز قدم بوسی کے لیے جبیں سائی کا اطلاق کیا ہے جس سے واضح ہے کہ آپ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ جبیں سائی کرنا سجدہ نہیں ہے جیسا کہ ان کے شعر سے واضح ہے۔

پھر آرکھوں قدم مادر و پدر پہ جبیں کیا جنہوں نے محبت کا راز داں مجھ کو

(۸) موصوف غیب داں رسول کے لیے رویت باری کے بھی قائل ہیں، جیسا کہ انکا شعر ہے۔

موسیٰ زہوش رفت بیک جلوۂ صفات تو عین ذات می نگری در تبسم

(۹) موصوف فرماتے ہیں کہ دنیا میں اشاعت علوم اور فنوں کا سب سے بڑا علم بردار اسلام ہے۔ لیکن اسلام علم و عشق کی جامعیت اور ان دونوں کے سنگم کا نام ہے اور اسی سے ایمان عبارت ہے۔ اور عشق کو بنیادِ ایمان بتاتے ہیں اور صراط مستقیم کی تعبیر مسلک عشق سے کرتے ہیں جیسا کہ آپ کا شعر اس پر مشاہد عدل ہے۔

طبع مسلم از محبت قاہر است
مسلم از عاشق نہ باشد کافر است
خرد نے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

امام احمد رضاؔ بریلوی بھی ان تمام امور کے قائل ہیں اور مسلک عشق ہی کو کامیابی و کامرانی کا راز بتاتے ہیں۔ جیسا کہ آپ فرماتے ہیں۔

اے عشق تیرے صدقے جلنے سے چھٹے سستے
جو آگ بجھا دے گی وہ آگ لگائی ہے

فقط۔ مولانا مقصود عالم فرحت ضیائی (شموگہ، کرناٹک)

نقد و نظر

نام کتاب	:	**فقہ حنفی میں حالاتِ زمانہ کی رعایت**
مصنف	:	مفتی محمد نظام الدین رضوی مصباحی
اشاعت	:	۲۰۱۳ء
صفحات	:	۹۶ قیمت : ۴۰
ناشر	:	مجلس شرعی، جامعہ اشرفیہ، مبارک پور
مبصر	:	محمد عابد چشتی

علم فقہ کے اصول و قوانین، مسائل قطعیہ اور اجتہادیہ کے درمیان فرق، فروعیات میں حالات زمانہ کے لحاظ سے تبدیلی کی سہولیات اور اس سلسلہ میں موجود سینکڑوں علما کے مختلف فیصلوں پر غور و فکر نہ کرنے اور خالص تحقیقی اور علمی ذوق کے فقدان اور سطحی ذہنیت نے تقریباً ایک دہائی سے اہل سنت میں افرا تفری اور گمراہی کا ماحول پیدا کر رکھا ہے جس کے چلتے ہر تحقیق کو مخالفت، تعصب اور عدول مسلک کا نام دے کر خوب واویلا مچایا جارہا ہے جب کہ غیر شعوری طور پر یہ روش صدیوں سے چلی آرہی تحقیقی روایات پر قدغن لگانے کے مترادف ہے۔ حالاں کہ دین میں یہ انجماد نہ کبھی ہوا ہے اور نہ اس کا دور دور تک امکان ہے، اس حوالہ سے شواہد و واقعات کی پوری تاریخ ہے جو فقہی کتابوں کے بین السطور میں دیکھی جاسکتی ہے جس کا مطالعہ کیے بغیر ہی تحقیقی اختلاف کو شجر ممنوعہ سمجھا اور سمجھایا جارہا ہے۔

ضرورت تھی کہ ایسے حضرات کی تقریب فہم کے لیے انہیں کی علمی سطح کے مطابق کچھ ایسے حقائق سامنے لائے جائیں جو ان کی چشم کشائی اور حقیقت شناسی میں معاون ثابت ہوں اور صحیح صورت حال سے آگاہی ہو، سراج الفقہا مفتی نظام الدین رضوی صدر شعبۂ افتا جامعہ اشرفیہ مبارک پور نے "فقہ حنفی میں حالاتِ زمانہ کی رعایت" کتاب لکھ کر اطمینان کن حد تک اس ضرورت کو پورا کر دیا ہے اس کتاب کا منصفانہ اور غیر جانب دارانہ مطالعہ موجودہ فکری رجحان کو مناسب جہت دینے میں مفید ثابت ہوگا۔ کتاب کے مقدمہ میں اپنے اسی مقصد تالیف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مفتی صاحب فرماتے ہیں:

"آج کے دور زوال میں شرعی احکام اور ان کے مصالح سے ناواقفی بہت عام چکی ہے یہی وجہ ہے کہ جب ہماری فقہی مجالس یا مراکز سے "کوئی شرعی بنیاد" بدل جانے کے باعث احکام کے بدل جانے کا اظہار کیا جاتا ہے تو کچھ اذہان میں ایک ہیجان سا بپا ہو جاتا ہے ہم نے اپنے ایسے کرم فرما حضرات کو سمجھانے کے لیے بالخصوص اور تمام اسلامی بھائیوں کے سمجھانے کے لیے بالعموم عہد رسالت سے لے کر آج کے دور انحطاط تک کے کچھ فقہی مسائل جمع کیے ہیں جن کے احکام حالات زمانہ کے بدلنے سے بدل گئے۔" (ص، ۱۲)

۹۶ صفحات کی اس کتاب کی ترتیب اس طرح ہے کہ یہ ایک مقدمہ اور چار نوع پر مشتمل ہے۔ ہر نوع کو اہم سرخی دی گئی ہے جس کی تفصیل اس طرح ہے، پہلی نوع۔ عہد رسالت و صحابہ کے بدلے ہوئے احکام، دوسری نوع۔ فقہ حنفی کے احکام جو بعد میں آنے والے مشائخ حنفیہ کے عہد میں تبدیل ہوئے، تیسری نوع۔ مذہب حنفی کے بدلے ہوئے مسائل جن کے مطابق فقیہ فقید المثال امام احمد رضا قدس سرہ نے فتویٰ دیا۔ یا آپ کے فتویٰ سے حکم سابق میں تبدیلی ہوئی چوتھی نوع۔ فتاویٰ رضویہ کے مسائل جو بعد میں فقہاے اہل سنت کے نئے فتاوی اور فیصلوں کے ذریعہ بدلے۔

ان چار عنوانات کے تحت تقریباً ستّر مسائل کو جمع کیا گیا ہے جو حالات زمانہ کے اعتبار سے بالکل بدل گئے یا پھر نوعیت میں تبدیلی آئی اور بعد کے علما نے اپنے اکابر کی تحقیق و تدقیق کے برعکس فتویٰ صادر فرمایا یہ اعتقاد رکھتے ہوئے کہ اگر صاحب مذہب ہمارا دور پاتے اور یہ حالات ملاحظہ فرماتے تو وہ بھی یہی حکم صادر فرماتے۔

کتاب میں ماضی قریب اور موجودہ شخصیات کے فقہی اختلافات، تحقیقی نظریات، ماحول شناسی، اور اس سلسلہ میں عدم تشدد و تعصب پر مبنی رد عمل کو زیادہ فوکس کیا گیا ہے میرے خیال سے اس چیز کے دو اہم فائدے۔ ہیں ایک یہ کہ چوں کہ یہ شخصیات عوام و خواص میں یکساں مقبول ہیں۔ لہٰذا ان کے کردار اور احوال سے جو پیغام پہنچے گا وہ تیر بہدف اور بلا چوں و چرا تسلیم ہوگا جب کہ دوسری طرف انہیں کے نام پر عوامی جذبات کو بھڑکا کر کسی کے خلاف بدظن کرنے اور ورغلانے والوں کو بھی اب احتیاط اور سنبھل کر قدم اٹھانا ہوگا ورنہ حقائق کی مار انہیں کہیں کا بھی نہیں چھوڑے گی ایک مثال ملاحظہ ہو؛

فتاویٰ رضویہ میں لڑکیوں اور عورتوں کو لکھنا سکھانے کے متعلق سخت رخ اختیار کیا گیا ہے یہاں تک کہ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

"جو اجازت کی طرف جائے یا حال زمانہ سے غافل ہے یا امت مرحومہ کی خیر خواہی سے عاطل" مگر بعد میں علت ممانعت باقی نہ رہی اسی لیے اب اہل سنت کے مدارس میں لڑکیوں کو پڑھنے کے ساتھ ساتھ کتابت بھی سکھائی جا رہی ہے جس کا علم تمام علماے اہل سنت کو بخوبی ہے بلکہ خود مفتی عبد المنان اور علامہ ضیاء المصطفی قادری کی سرپرستی میں مدرسہ نسواں چلتے رہے اور چل رہے ہیں جہاں کتابت بھی داخل ہے تو کیا یہ سب لوگ اعلیٰ حضرت کے مخالفین ہو

گئے۔(ملخص ص ۷۰)

اس طرح کی دسیوں مثالوں کے ذریعہ صرف ایک نقطہ کو سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے کہ حالات زمانہ سے احکام بدل دیے جائیں تو اسے مخالفت کا رنگ نہیں دیا جاسکتا ہے ورنہ نہ جانے کتنی مسلمہ شخصیات اس کی زد میں آجائیں گے جنھوں نے اپنے اکابر کے خلاف تحقیق کی اور حکم صادر کیا پوری کتاب میں اس کی مثالیں بھری پڑی ہیں تسکین کے لیے خود ملاحظہ کریں۔

کتاب کو ہر جہت سے جارحانہ لب ولہجہ سے دور رکھا گیا ہے اور خالص علمی انداز میں بالکل واضح گفتگو کی گئی ہے اور یہ کوشش کی گئی ہے کہ زبان سادہ ہو تاکہ عام اردو خواں طبقہ بھی اس سے استفادہ کرسکے، کتاب اپنی ضخامت میں تو چھوٹی ہے مگر ایک دہائی سے چلی آرہی غلط بیانی کی بنیادیں ہلانے کے لیے کافی ہے اور ان تمام لوگوں کے لیے تازیانۂ عبرت ہے جو اعلیٰ حضرت جیسی عظیم شخصیت کا نام لے کر خود اپنی دھونی رمانے میں لگے ہوئے ہیں۔ یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کی اس کتاب کی اشاعت اور زیادہ سے زیادہ تشہیر ایسے لوگوں کو مجبور کردے گی کہ اب وہ اپنے عنوان بدل لیں اور دوسرے میدان تلاشیں اس لیے کہ فروعی اختلاف کے تعلق سے مسلک اعلی حضرت کا مفہوم ووسعت ،اور صحیح تعبیر ان کے ماننے والوں تک پہنچنے والی ہے۔ ضرورت اب صرف اس بات کی ہے کہ "عرفان مذہب ومسلک" کی طرح اس کتاب کو زیادہ سے زیادہ ہاتھوں تک پہنچایا جائے حالات بہت جلد بدلیں گے۔

کتاب کا سائز درمیانی ہے ٹائٹل دیدہ زیب ہے قیمت بھی مناسب ہی ہے پروف کی غلطیاں ہمیں نظر نہیں آئیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

نام کتاب	:	**مناقب حافظ ملت مع ترانۂ اشرفیہ**
مرتب	:	مولانا طفیل احمد مصباحی
صفحات	:	۱۱۲ اشاعت : ۲۰۱۳ء
ناشر	:	تنظیم ابنائے اشرفیہ، مبارک پور، اعظم گڑھ
مبصر	:	توفیق احسن برکاتی، ممبئی

اردو زبان میں شعری اصناف کی درجہ بندی اور اقسامِ شعر کی شناخت مخصوص ہیئت کی بنیاد پر کی گئی ہے اور چند اصناف اپنے خاص موضوع کی مناسبت سے صنف کا درجہ پاتی ہیں اور کچھ ایسی بھی ہیں جن میں موضوع اور ہیئت دونوں کا لحاظ کیا گیا ہے، ہیئت کی بنیاد پر شناخت رکھنے والی اصناف میں غزل اور رباعی کا نام لیا جاسکتا ہے اور صرف موضوع کی بنیاد پر درجہ پانے والی صنف میں مرثیہ، واسوخت، شہر آشوب، نعت و منقبت کا نام شامل ہے اور ہیئت وموضوع دونوں کی بنیاد پر نئی صنف کا نام پانے والی صنفِ سخن میں مثنوی اور قصیدہ کو گنا جاسکتا ہے، جب کہ نظم اور گیت کی شناخت نہ ہیئت پر منحصر ہے نہ موضوع پر بلکہ یہ دونوں اپنی مخصوص تہذیبی اور تمدنی مزاج کی بنا پر صنف کا درجہ رکھتی ہیں۔ تقدیسی شاعری میں حمد، نعت اور منقبت کو سرِ فہرست مقام حاصل ہے۔ ان تینوں صنفوں کا نام ان کے موضوع کی مناسبت سے ہے، لیکن شاعر کو آزادی ہے کہ کسی بھی شعری ہیئت میں انھیں برت سکتا ہے۔ غزل، رباعی، ہائیکو، دوہا، تکونی وغیرہ میں تحریر کی گئی حمدیں اور نعتیں ہمارے مطالعے کی زینت بنتی رہی ہیں۔ زمانۂ رسالت علیہ السلام سے نعتیہ شاعری کی ایک توانا روایت چلی آرہی ہے اور اس کے شانہ بہ شانہ منقبتی شاعری بھی اپنا مستحکم وجود رکھتی ہے، اولیائے کرام، بزرگانِ دین اور جید اربابِ طریقت کی شان میں تحریر کیے گئے مناقب ہماری شعری روایت کا حصہ ہیں اور یہ سلسلہ آج بھی قائم ہے۔

چودھویں صدی ہجری کے نصف آخر میں تعلیم وتعلم کے افق پر چمکنے والی شخصیات میں جلالۃ العلم حافظ ملت علامہ شاہ عبدالعزیز محدث مرادآبادی (متوفیٰ ۱۳۹۶ھ) علیہ الرحمۃ کا نام نامی امتیازی شناخت رکھتا ہے۔ آپ کی ذات تدریسِ علمِ دین، فروغ مذہب اہل سنت اور شخصیت سازی جیسے کاموں میں کامیابی کے لیے انتہائی موثر تسلیم کی گئی ہے۔ "الجامعۃ الاشرفیہ" علم وفن کے تاج محل کی شکل میں آج بھی ایک یادگار تاریخ بنا ہوا ہے۔ بے شمار اربابِ قلم نے آپ کی حیات وخدمات کو اپنی تحریروں کا موضوع بنایا ہے اور شعرا نے آپ کی شخصیت و کردار کو مدِ نظر رکھ کر شعری پیکر تراشے ہیں، بلفظِ دیگر آپ کی شانِ والا صفات میں منقبتوں کا نذرانہ پیش کیا ہے۔ یہ مناقب ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور میں وقتاً فوقتاً اشاعت پذیر ہوتے رہے ہیں۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ اس جریدے کے نائب مدیر مولانا محمد طفیل احمد مصباحی نے ماہ نامے کی ۳۵ر فائلوں کے ۴۲۰ شماروں سے ان منتشر مناقب کو اخذ کرکے کتابی شکل میں مرتب کردیا ہے اور اب یہ مجموعہ آپ کے سامنے ہے۔ "مناقبِ حافظِ ملت پر ایک نظر" کے عنوان سے ڈیڑھ صفحاتی ایک مختصر تحریر مولانا مبارک حسین مصباحی (ایڈیٹر ماہ نامہ اشرفیہ) کے زورِ قلم کا نتیجہ ہے۔ اس کے بعد مرتب نے دو صفحے "عرضِ مرتب" تحریر کیا ہے پھر مناقب کا سلسلہ شعرا کے ناموں کی وضاحت کے ساتھ شاملِ کتاب ہوتا ہے۔ مناقب کی کل تعداد ۴۷ ہے۔ شعرا میں جہاں مبتدی حضرات کی شمولیت ہے وہیں بڑے معروف اور قادر الکلام اربابِ شعر نے اپنی فکر کا جادو جگایا ہے۔ صفحہ ۶۸ سے "صدائے غم" کے عنوان سے پندرہ شعرا کے کلام کو جگہ دی گئی ہے۔ شاعری کا یہ حصہ حضور حافظ ملت علیہ الرحمۃ کے وصال پر ملال کے موقع پر مختلف شعرا کا لکھا گیا منظوم تعزیتی کلام ہے اور پھر "ترانۂ اشرفیہ" کے تحت بیس منظومات کو جگہ دی گئی ہے۔ مجموعی طور پر یہ کتاب ایک کامیاب "مجموعۂ مناقب" مانی جائے گی۔ البتہ فہرست کی کمی کافی کھٹکتی ہے، پروف توجہ سے پڑھا گیا ہے۔ مولانا طفیل احمد مصباحی اس کتاب کی ترتیب اور تنظیم ابنائے اشرفیہ اس کی اشاعت کے لیے خصوصی مبارک باد کے مستحق ہے۔ ☆☆☆☆

منظومات

نعت شریف

بخت یوں جاگ اٹھا ہے مری تنہائی کا
تذکرہ گھر میں ہے اس پیکرِ دانائی کا
صرف اتنا کہ ترا نام ترا وصف لکھوں
قصد کچھ اور نہیں ہے سخن آرائی کا
سرفروشوں نے ترے خُلق کو بس عام کیا
نشّہ سب ٹوٹ گیا نخوتِ دارائی کا
صرف قرآن سے ممکن ہے بیاں کر دینا
جامۂ نور میں عالم تری زیبائی کا
ترے بیمار نے دکھلائی وہ عیسیٰ نفسی
لوگ دم بھرنے لگے تیری مسیحائی کا
تیری یادوں کا تقدس ہے ترے ذکر کے ساتھ
کتنا پاکیزہ ہے عالم مری تنہائی کا
اک مقام ایسا بھی آتا ہے دعاؤں میں کہ جب
گُھٹ کے رہ جاتا ہے دم قوت گویائی کا
آدمیت پہ ہے سرکار کا احسان عظیم
درس دنیا کو دیا آپ نے یکتائی کا
کوئی مضمون کہیں سے نہیں کھلتا مسرورؔ
شوق پھر بھی ہے ہمیں قافیہ پیمائی کا

.....**انس مسرور ترابی، ٹانڈہ**

نعت شریف

زمیں چومے، زماں چومے، مکیں چومے، مکاں چومے
ترے نقشِ کفِ پا کو ثریا، کہکشاں چومے
ترے پیراہنِ رحمت کی رفعت کوئی کیا جانے
کے جس کے کھردے پن کو حریر و پرنیاں چومے
تمنا ہے شفیعِ حشر یہ محشر کی گرمی میں
ترے دستِ کرم و حوضِ کوثر پر زباں چومے
ترے اعجازِ رحمت کی کوئی تمثیل کیا ہوگی
کہ تیری انگلیوں کی نوک کو آبِ رواں چومے
برہنہ پا کلیم اللہ کوہِ طور پر جائیں
تری نعلین کو بڑھ کر حدودِ لامکاں چومے
مقدر میں یہ رتبہ لکھ دیا تھا دستِ قدرت نے
ترے نوری بدن کو عائشہ کا آشیاں چومے
ترا نقشِ کفِ پا ہر جگہ ہے ارضِ طیبہ پر
حسیب عاصی ہے حیراں کس کو چومے اور کہاں چومے

حسیب کچھوچھوی، کچھوچھہ شریف

نعت شریف

بس گئی جب سے نبی آپ کی الفت دل میں
خیمہ ڈالے ہے اسی روز سے جنت دل میں
حسنِ خورشید و قمر کیوں نہ بھلا قرباں ہوں
روے زیبا کی سما جائے جو طلعت دل میں
آسکے گی نہ میسر اسے بوئے جنت
رائی بھر آپ سے رکھتا ہو جو نفرت دل میں
قلب ایمان سے خالی ہے، جہنم واجب
آلِ احمد سے رکھی جس نے عداوت دل میں
کس طرح لے کے چلے شامِ غریباں کے اسیر
باپ بیٹے و چچا بھائی کی فرقت دل میں
جانِ ایمان سمجھتا ہے نواسوں کو ضیاؔ
عشقِ سرکار کی رکھتا ہے جو نعمت دل میں

.....**ضیایزدانی بلرام پوری**

صدائے بازگشت

اقبال کی شاعری اور ان کے نظریات

مکرمی.....سلام مسنون

شاعرمشرق ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم نے ۹نومبر ۱۸۷۷ء میں سیالکوٹ کی زمین کو اپنے وجودمسعود سے مشکبار ومعطر بنایا۔ فکروآگہی کی دہلیز پر قدم رکھا تو دگرگوں حالات کا بڑی قریب سے جائزہ لیا علوم عصریہ اور تہذیب اسلامیہ کے زیورات سے خود کو مزین کیا مزید تقویت ذہنی وفکری کے لیے وادی اغیار میں جلوہ بار ہوئے۔ رقیبان اسلام کے عروج وارتقائے ظاہری کا ہر پہلو سے بہ نظر عمیق محاسبہ کیا جب وطن کی جانب رجعت ہوئی تو اسلامیات کے ہر باب وماخذ کی ورق گردانی کا آغاز کیا۔ فلسفیانہ ومنطقیانہ روش کی تحقیق اصول اسلام کے میزان پر رکھ کر کیا۔ اس کے بعد بالغ نظری، قوت فکری، نکتہ سنجی، انقلاب آفرینی، انسانیت نوازی، کردار سازی، معرفت حقیقی، عرفان اصلی، عشق مزاجی، ترنم ریزی، تکلم بازی، خدمات ادبی، فن شاعری، قانون اعتقادی وعملی، قابلیت لسانی وقلمی کا گوہر آب شار پھوٹ پڑا جس سے پوری دنیا سیراب ہوئی۔

اور اہل قلم، صاحب زبان، ارباب بصیرت، ماہر علم وادب، فکروفن، شعروسخن کے جہان ہفت اقلیم پر اپنی قیادت وسیادت کی مہر تصدیق لگانے پر مجبور کردیا جس کے باعث دنیائے ادب نے یوم اردو کو یوم اقبال کی جانب منسوب کرکے فرحت وانبساط کا اظہار کیا اور آج بھی کررہے ہیں اور قیامت تک کیا جائے گا۔ جس کی بے مثال نظیر دل پذیر کی گل افشانیاں دعوت نظارہ پیش کررہی ہیں۔ جو جشن یوم اقبال وکل ہند محفل مشاعرہ کے نام سے موسوم ہے جس کا انعقاد صبح نو ایجوکیشنل انڈ ویلفیئر ٹرسٹ شموگہ نے کرکے ادباوشعرا اور محبان اردو کو ہدیۂ تبریک وتشکر پیش کرنے کی سعادت بخشا ہے۔ شاعر مشرق کے شعری نظریات کے چند نمونے قارئین وناظرین کی سماعت کے حوالے کرنے کی جسارت کررہا ہوں جس سے عالم اسلام کا بحران اور فکر اقبال کی اہمیت وافادیت اجاگر ہوگی جو بحرانی کیفیات کے سدباب کے لیے منارۂ نور ثابت ہوگا۔

(۱) اسوۂ حسنہ کی پابندی وپیروی سارے مشکلات ومصائب کا حل ہے۔ (۲) نبوی اخلاق واعمال کی اشاعت ہی موجودہ بحران سے نکلنے کا واحد ذریعہ ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ ۱۲ ربیع الاول کے جلسہ کو مزید وسعت دی جائے۔ ملک کے ہر گوشے سے نبوی سیرت وکردار کی گونج سنائی دے سیرت پر مشتمل کتابیں، کیسیٹ، رسالے مفت تقسیم کروایا جائے۔ اخبار واشتہارات کے ذریعے اس کی خوب خوب تشہیر کی جائے۔ یوم ولادت نبوی کو ملک کے ہر گوشے میں یوم اتحاد، یوم اخوت، یوم فلاح، یوم حریت واستقلال کی حیثیت سے خوش آمدید کہا جائے۔ (نقوش اقبال نمبر)

(۳) جس اختلاف کی بنیاد، رنگ، نسل، زبان یا وطن سے ہو اس سے اجتناب واحتراز کیا جائے کیونکہ یہ مزاج اسلام کے منافی ہے۔

(۴) بزرگان دین کے مزار پر حاضری جزو ایمان ہے۔

(۵) ہماری عصری دانش گاہوں میں مذہبی تعلیم بھی ہونی چاہیے میں مذہب کو سوراج پر مقدم خیال کرتا ہوں۔

(۶) مذہب کو چھوڑ کر سیاست کے میدان میں قدم رکھنا۔ یورپ کی غلامانہ تقلید ہے۔ اس طوق غلامی کو نکال کر پھینک دینا چاہیے۔ شاعر مشرق کا نظریہ تھا کہ سرور کائنات ﷺ تمام امتیوں کے دلوں کے ارادے سے واقف ہیں۔ جیسا کہ ان کے اس شعر سے واضح ہوتا ہے۔

اے فروغت صبح آثار ودہور　　چشم توبیندۂ مافی الصدور

اے وہ ذات آپ کی روشنی آثار ودہور کی صبح ہے آپ کی چشمان مبارک دیکھتی ہیں لوگوں کے سینوں یعنی دلوں میں ہے

شاعر مشرق کا موقف ہے کہ اللہ عزوجل نے اول نور مصطفیٰ کی تخلیق کی اور اس نور سے کائنات کو وجود بخشا۔

عالم آب وخاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرۂ ریگ کو دیا تو نے طلوع آفتاب
لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب
گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب

(۳) موصوف کا قول مختار ہے کہ اللہ والوں کی تربت پر حاضری جائز ہے۔ استغاثہ بمعنی توسل بھی جائز ہے۔ اور رب کی بارگاہ میں دعا کی سفارش کی التجا کرنا بھی جائز ہے۔ اس سے واضح ہوجاتا ہے کہ آپ سماع موتیٰ کے بھی قائل ہیں اود دعا کی قبولیت کے بھی قائل ہیں۔ بذات خود نظام الدین اولیا کے مزار پر حاضر ہوکر دعا کی التجا کرتے ہیں۔

فلک نشیں صفت مہر ہوں زمانے میں　　تیری دعا سے عطا ہو وہ نزدیاں مجھ کو

(۴) موصوف کا عقیدہ ہے کہ رحمت عالم ﷺ سارے راستوں سے واقف ہیں، خاتم الانبیا ہیں اور کل جہاں کے مالک ومختار ہیں جیسا کہ ان کے اشعار سے ظاہر ہے۔

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ وادی سینا

(باقی ص:۴۹ پر)

خیر و خبر

عرس قاسمی برکاتی ۲۰۱۳ء

خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف ہندوستان کی سب سے قدیم خانقاہوں میں شمار کی جاتی ہے۔ اس خانقاہ کی خدمات علم کی ترویج واشاعت اور دین و ملت کے حوالے سے بہت زیادہ ہیں۔ خانقاہ برکاتیہ کی امتیازی شان یہ ہے کہ یہاں کے اعراس اور اس کی تمام رسومات شریعت مطہرہ کے دائرے میں ادا کیے جاتے ہیں۔ عورتوں کا عرس میں آنا اس کے اشتہار میں ہی منع ہوتا ہے اور اس خانقاہ کے سجادہ نشین حضرت امین ملت سید شاہ محمد امین میاں قادری مدظلہ العالی عرس کی تقریبات میں ببانگ دہل منبر نور (اسٹیج) سے یہ اعلان کرتے ہیں کہ اعراس میں عورتوں کا حاضر ہونا گناہ ہے اور شریعت نے منع کیا ہے۔

اس سال خانقاہ برکاتیہ کا سالانہ عرس قاسمی ۲۲/ ۲۳/ ۲۴/ نومبر ۲۰۱۳ء بروز جمعہ، سنیچر اور اتوار کو اپنے روایتی شان و شوکت کے ساتھ منعقد ہوا۔ سہ روزہ عرس قاسمی کی تقریبات خالص اسلامی ماحول میں منائی گئیں۔ پہلے دن بروز جمعہ بعد نماز فجر حلقہ ذکر قادریہ و قرآن خوانی سے عرس کا آغاز ہوا۔ ۹/ بجے صبح درگاہ شریف میں محفل کا انعقاد ہوا۔ جس میں صاحب سجادہ حضرت امین ملت نے زائرین عرس کا استقبال کیا اور ان تین دنوں میں صاحب البرکات کے فیوض برکات حاصل کرنے اور فرائض و واجبات کی مکمل پابندی کی تلقین فرمائی قبل جمعہ یہ محفل اختتام پذیر ہوئی۔ بعد نماز عصر سے لے کر عشا تک منبر نور سے اسلامی تربیتی کیمپ لگا۔ جس میں مولانا سید نور عالم مصباحی اور مولانا نعیم ازہری نے بہ ترتیب غسل اور وضو کے طریقے اور ان کے فرائض و واجبات سے روشناس کرایا۔

گلشن برکات میں تمام نمازیں باجماعت ادا کرنے کا اہتمام ہوا اور عشا کی نماز کے بعد یہاں محفل کا آغاز ہوا۔ اس محفل میں قابل ذکر بات مدارس اسلامیہ کے طلبہ کے مابین مقابلہ قراءت ہے۔ ہندوستان کے مختلف مدارس سے تشریف لائے طلبہ نے بڑے انہماک وجوش کے ساتھ فن تجوید وقراءت کا مظاہرہ کیا۔ جج صاحبان کے حتمی فیصلوں کے بعد جامعہ احسن البرکات، خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف کے طالب علم جاوید احمد اول انعام، مدرسہ گلشن اجمیر (گجرات) کے طالب علم نعیم کو دوم انعام، جامعہ امجدیہ رضویہ گھوسی مئو کے طالب علم محمد راقب کو سوم انعام کا حق دار قرار دیا گیا۔ جن کو بہ ترتیب ۵۰۰۰ ہزار، ۳۰۰۰ اور ۲۰۰۰ روپیہ نقد اور سند عطا کی گئی۔ اس کے بعد علمائے کرام کے نورانی بیانات ہوئے۔ خانقاہ برکاتیہ کا علمی ترجمان سالنامہ "اہل سنت کی آواز" خانقاہ قادریہ بدایوں کے ولی عہد حضرت مولانا اسید الحق قادری صاحب کی تصنیف "تذکرہ شمس مارہرہ"، مولوی طفیل احمد متولی صدیقی بدایونی کی تالیف "برکات مارہرہ" اور حضرت سید شاہ آل احمد حضور اچھے میاں قدس سرہٗ کی تصنیف "آداب السالکین" کا اجرا حضور صاحب سجادہ کے دست مبارک سے ہوا۔

دوسرے دن بروز سنیچر بڑی درگاہ یعنی سیدنا شاہ عبد الجلیل قدس سرہٗ کے آستانہ پر اور درگاہ برکاتیہ میں ختم قادریہ و قرآن خوانی کا اہتمام ہوا۔ ۹/ بجے صبح گلشن برکات میں محفل کا آغاز ہوا۔ تلاوت و نعت و مناقب خوانی کے بعد سوال و جواب کا سلسلہ بعنوان "عوام کے سوالات علمائے کرام کے جوابات" شروع ہوا۔ عوام اہل سنت نے دل کھول کر شریعت و طریقت کے حوالے سے حضرت مفتی محمد نظام الدین رضوی، صدر شعبۂ افتا جامعہ اشرفیہ مبارک پور سے سوالات پوچھے، جن کے شافی و کافی جوابات قرآن و حدیث کی روشنی میں برکاتی مفتی نے عنایت فرمائے۔

حضرت امین ملت نے اختتامی خطاب فرمایا، زائرین کا استقبال کرتے ہوئے تمام اہل سلسلہ کو نصیحت فرمائی کہ مشائخ کے اعراس میں شریعت کی مکمل پاسداری ہونی چاہیے۔

یہ مجلس نماز ظہر کے وقت ختم ہوئی زائرین نے کھانا تناول کیا۔ عصر کے وقت سے لے کر عشا تک تربیتی کیمپ کا سلسلہ چلتا رہا، لوگوں نے شریعت کے مسائل بے حد دلچسپی سے سماعت کیے اور سوال و جواب کے ذریعہ اپنی معلومات میں اضافہ کیا۔ اس کیمپ کی ذمہ داری مولانا توحید احمد مصباحی، مولانا نعیم ازہری اور مولانا سید نور عالم مصباحی صاحبان نے بحسن وخوبی نبھائی۔

بعد نماز مغرب حسب دستور قدیم چادر و گاگر کا جلوس درگاہ بڑے پیر سے ولی عہد حضرت مولانا سید محمد امان میاں کی قیادت میں روانہ ہوا، جس میں خانوادے کے صاحب زادگان نے شرکت کی، یہ جلوس نعت و مناقب کے نذرانے پیش کرتا ہوا اپنے مقررہ مقامات پر قیام پذیر ہوا۔ جن میں جناب حافظ شریف احمد برکاتی، جناب منشی کریم بخش اور جناب ڈاکٹر ایوب حسن خان کے گھرانے قابل ذکر ہیں، جہاں عرصۂ دراز سے جلوس

قیام کرتا ہے۔ یہ حضرات حسب توفیق لیکن پوری عقیدت ومحبت اور دلداری کے ساتھ جلوس کے قیام کا انتظام وانصرام فرماتے ہیں۔ جہاں جہاں جلوس نے قیام کیا وہاں وہاں نعت ومناقب کا نذرانہ پیش کیا گیا اور سید امان میاں کا خطاب ہوا۔

عرس قاسمی میں رسم خرقہ پوشی کی رات امتیازی شان والی ہوا کرتی ہے آج کی شب کو "گدی کی رات" سے موسوم کیا جاتا ہے جس میں صاحب سجادہ ملبوسات اکابر زیب تن فرما کر مشائخ کے حضور مراقبہ میں حاضر ہوتے ہیں۔ صاحب سجادہ جب ان ملبوساتِ مقدسہ سے مزین ہوکر حویلی سجادگی سے باہر تشریف لاتے ہیں تو پورا مجمع اللہ اللہ کی صدائے حق بلند کرتا ہے۔ آج کی رات اور بھی پر نور ہوگئی جب خانقاہ برکاتیہ کے امام سلسلہ سلطان بغداد حضرت سیدنا غوث اعظم علیہ الرحمۃ کے نمائندے فضیلۃ الشیخ سید محمد توفیق گیلانی مدظلہ العالی تشریف لائے۔ خانقاہ برکاتیہ کے تمام اراکین نے اپنے امام سلسلہ کے لخت جگر کا خیر مقدم کیا، درگاہ برکاتیہ کے صدر دروازے سے بہت آگے شاہراہ پر حضرت رفیق ملت سید شاہ نجیب حیدر نوری مدظلہ العالی مع اپنے افراد خاندان وجملہ طلبہ واساتذہ جامعہ احسن البرکات صاحبزادے کے خیر مقدم کو موجود تھے۔ حضرت سید شاہ محمد توفیق گیلانی کی آمد پر خاندان برکات کے افراد نے گل پوشی کرکے استقبال کیا، نعرہائے تکبیر ورسالت اور قصیدہ غوثیہ کی تلاوت کے ساتھ مہمانِ خصوصی تشریف لائے جہاں حضرت امین ملت سید محمد امین میاں قادری، حضرت شرف ملت سید محمد اشرف قادری اور تمام افراد خاندان نے حضرت شیخ کا صمیم قلب سے استقبال کیا۔

کیف وسرور اور فیوض وبرکات کی ایسی بارش ہورہی تھی کہ ضبط تحریر سے باہر ہے۔ اس نور ونکہت بھری رات میں اسٹیج پر حضور صاحب سجادہ خرقۂ بزرگان زیب تن کیے رونق افروز، بغل میں شہزادہ غوث اعظم بغداد شریف سے تشریف لائے ہوئے۔ ان کے بغل میں شرف ملت حضرت سید محمد اشرف قادری اور ان کے پہلو میں رفیق ملت اور ساتھ میں شہزادگان خانوادۂ برکات جلوہ افروز ہوئے تو رونق دوبالا ہوگئی تھی۔ سامنے اہل سنت وجماعت اور برکاتی بھائیوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر اس رنگ ونور کی بارش میں نہارہا تھا۔

محفل کے شروع میں ڈاکٹر خواجہ محمد اکرام الدین ڈائرکٹر قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان (نئی دہلی) کی خدمت میں ان کی لسانی وادبی خدمات کے اعتراف میں اعزاز "اعتراف خدمات" اور شال پیش کی گئی۔ دوسرا اعزاز جماعت اہل سنت کی معتمد ومعمر شخصیت عالم باعمل حضرت مفتی لطف اللہ قادری مدظلہ العالی کو ان کی پچاس سالہ دینی وعلمی اور فقہی خدمات کے اعتراف میں سپاس نامہ پیش کیا گیا۔ جسے شہزادۂ حضور امین ملت مولانا سید محمد امان قادری نے پڑھ کر سنایا۔ اس کے بعد بزبان عربی سپاس نامہ حضرت شیخ المشائخ کی خدمت میں پیش کیا گیا، جسے مولانا نعمان احمد ازہری نے پڑھ کر سنایا اور اس کا ترجمہ بھی کیا۔ اعزازات کے فوراً بعد مختصر مگر جامع تقریر صاحب زادہ محمد عطیف میاں قادری بدایونی نے فرمائی۔ شہزادۂ غوث اعظم کا تعارف رفیق ملت حضرت سید شاہ نجیب حیدر نوری نے اپنے مخصوص ودل نشین انداز میں فرمایا۔ آج کی رات خانقاہ برکاتیہ اور اس کے بزرگوں کی تاریخ پر دسترس رکھنے والے حضرت مولانا ڈاکٹر وقار عزیزی صاحب قبلہ نے بڑی پر مغز اور مفصل تقریر فرمائی۔ حضرت صاحب سجادہ نے اس مبارک شب میں عالم باعمل حضرت مفتی محمد حبیب یار خان اور عزیزم سید حیدر میاں نور چشم حضرت رفیق ملت کو خلافت عطا فرمائی اور آپ کی تقریر پر محفل کا اختتام ہوا۔

تیسرے دن بروز اتوار صبح دونوں درگاہوں میں حسب سابق روحانی کیمپوں میں ختم قادریہ کا اہتمام کیا گیا۔ پچھلے سالوں سے کہیں زیادہ جوش وخروش کے ساتھ زائرین نے اس مبارک محفل میں شرکت کی۔ ختم قادریہ کے بعد تلاوت واذکار کے لیے آخر تک یہ دونوں کیمپ قائم رہے۔ ۹ر بجے صبح آخری مجلس کا انعقاد ہوا۔ جس میں مفتی حنیف کان پوری کی مدلل ومفصل تقریر ہوئی۔ پروگرام کے مختلف حصوں میں محمد عمران جے پوری، مولانا قاسم جیبی، کلیم دانش، محمد انور، فاروق بادشاہ اور نصیر پور کے پرانے نعت خواں نے شرکت کی اور نذرانہ عقیدت پیش فرمائے۔ جملہ پروگرام کی نظامت قاری محمد عرفان برکاتی استاذ مدرسہ قاسم البرکات نے فرمائی۔ اخیر میں حضرت امین ملت نے تمام زائرین، معاونین اور حکومتی وسرکاری نیز مارہرہ کے انتظامیہ کا شکریہ ادا کیا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تمام عالم اسلام کے لیے دعائیں کی۔ اس کے بعد آثار متبرکہ کی عام زیارت کرائی گئی۔

از: ڈاکٹر احمد مجتبیٰ صدیقی۔ جوائنٹ سکریٹری
البرکات ایجوکیشنل سوسائٹی، علی گڑھ

فقہی بورڈ آف نارتھ امریکہ کا پہلا سیمینار

امریکہ میں اہل سنت وجماعت کی قدروں کو اجاگر کرنے میں رویت ہلال کمیٹی آف نارتھ امریکہ کا ایک مثبت اور کلیدی کردار ہے۔ بہت

دنوں سے یہ بات زیرغور رہی کہ امریکہ میں پائے جانے والے مسائل کے حل کے لیے کوئی ایک پلیٹ فارم ہونا چاہیے جس کے ذریعہ امت مسلم کے مقامی شرعی مسائل کو حل کیا جاسکے۔ ایسے ماحول میں علماے کرام نے بڑی سنجیدگی سے رویت ہلال ہی کی ایک ضمنی شاخ۔ فقہی بورڈ آف نارتھ امریکہ قائم کردیا۔ اس کا پہلا فقہی سمینار مورخہ ۳۰/ نومبر ۲۰۱۳ء/ ۲۶، محرم الحرام ۱۴۳۵ شہنائی بینکویٹ ہال میں منعقد ہوا۔ جس میں ہیوسٹن اور ڈیلاس کے مندرجہ ذیل علما نے شرکت کی۔

(۱) مفتی محمد قمرالحسن قادری، خطیب و امام مرکزی جامع مسجد النور ہیوسٹن (۲) مولانا ڈاکٹر غلام زرقانی، خطیب و امام جامع مکہ مسجد ہیوسٹن (۳) مولانا فیضان المصطفیٰ قادری، النور انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک سائنسیز ہیوسٹن، (۴) مولانا قاری و حافظ مسعود رضا، خطیب و امام مسجد فلاح، ہیوسٹن (۵) مولانا حافظ عبدالرب اعظمی، خطیب و امام آدم مسجد، شوگر لینڈ (۶) مولانا حافظ شاہد احمد رضوی، استاد النور مدرسہ حفظ القرآن ہیوسٹن (۷) مولانا حامد رضا قادری، امام فیضان مدینہ ہیوسٹن (۸)، قاری عبدالقادر ملتانی، امام مسجد قریش، ہیوسٹن (۹) جناب فیض رسول، امام النور میکسی روڈ مسجد، ہیوسٹن

پھر ڈیلاس سے حسب ذیل علما نے شرکت فرمائی:

(۱۰) مفتی احمد القادری، دار العلوم عزیزیہ، پلانو (۱۱) مولانا بابر رحمانی، رکن مدینہ مسجد، کیرلٹن ڈیلاس (۱۲)، مولانا غلام سبحانی، ضیاء القرآن ڈیلاس (۱۳) مولانا سراج احمد مصباحی، امام مدینہ مسجد، کیرلٹن ڈیلاس (۱۴) مولانا عمیر عبدالجبار، ڈیلاس

موضوعات: تین موضوع منتخب کیا گیا تھا:

پہلا موضوع: کرسی اور کارسیٹ پر بیٹھ کر نماز پڑھنا۔

دوسرا موضوع: نماز میں مختلف قسم کا پہناوا۔

تیسرا موضوع: جوتوں میں نماز ادا کرنے کا مسئلہ۔

۹/۳۰ بجے حافظ و قاری شاہد احمد رضوی کی تلاوت اور فیض رسول کی نعت سے سمینار کا آغاز کیا گیا۔ علماے کرام نے اپنی نشستیں سنبھالیں۔ پھر مولانا ڈاکٹر غلام زرقانی نے خطبہ استقبالیہ پیش کیا۔ اس کے بعد مفتی محمد قمرالحسن قادری نے خطبہ صدارت پیش کرکے اصل بحث کی طرف رخ پھیرا۔ مولانا فیضان المصطفیٰ نے تسجیل سمینار گزار کو مقالہ پڑھنے کی دعوت دی اور پھر پہلے موضوع پر بھرپور گفتگو ہوئی۔ سب سے پہلے مولانا عبدالرب نے پھر مولانا غلام سبحانی۔ پھر مولانا فیضان المصطفیٰ پھر مولانا غلام زرقانی اور پھر مفتی محمد قمرالحسن قادری اور ان کے بعد مفتی احمد القادری نے اپنے اپنے مقالات پیش کیے۔ موضوع کی مناسبت سے بہت تفصیلی بحثیں ہوئیں اور حاصل بحث رقم کری گئی۔ اس کے ساتھ ہی دوسرے موضوع کو بھی مکمل کیا گیا۔ اس طرح سے ۳ بجے تک یہ پہلی نشست جاری رہی۔ اس کے بعد نماز ظہر اور ظہرانہ پیش کرکے تیسرے مقالے پر گفتگو اور بحث کے بعد یہ نشست ختم کردی گئی اور کچھ دیر وقفۂ استراحت رکھا گیا۔

مغرب ادا کرکے علما نے فیصل شدہ مسائل کی نقل تیار کی جس میں مولانا فیضان المصطفیٰ اور مفتی احمد القادری نے اہم کردار ادا کیا۔ جب کہ دوسری طرف عشا کے بعد اجلاس عام ہوا۔

اجلاس عام: یہ عام اجلاس تھا جس میں علما اور عوام سب نے شرکت کی۔ اِس اجلاس کی نظامت کی خدمت مولانا بابر رحمانی اور مولانا سراج احمد مصباحی نے انجام دی۔ قاری عبدالقادر کی تلاوت سے آغاز ہوا۔ اِس میں علما نے اپنے اپنے تاثرات پیش کیے۔

(۱) مولانا سراج احمد مصباحی (۲) مولانا حامد رضا (۳) مولانا عبدالرب اعظمی (۴) مولانا غلام سبحانی مصباحی (۵) مولانا غلام زرقانی (۶) اور مفتی احمد القادری وغیرہ نے سمینار کی ضرورت اور اہل سنت کے پلیٹ فارم پر ایک تحقیقی اور اکاڈمیکل کام کی افادیت پر بھرپور روشنی ڈالی۔ پھر مولانا فیضان المصطفیٰ نے فیصل شدہ مسائل کا اردو حصہ جب کہ مولانا عمیر عبدالجبار نے انگلش حصہ پڑھ کر سنایا۔ اور آخر میں صدر سمینار مفتی محمد قمرالحسن قادری نے اِس سمینار کے داخلی محرکات، ضرورت اور افادیت پر روشنی ڈالتے ہوئے علما، والنٹیرس، اور ذمہ داران ادارہ جات اور عوام کا شکریہ ادا کیا۔ اِس میں خاص طور سے ذیل کے اداروں نے بھرپور تعاون کیا۔

(۱) النور جامع مسجد (مرکز) (۲) النور میکسی روڈ (شاخ) (۳) مکہ مسجد بیچنٹ (۴) مسجد فلاح (۵) مسجد آدم (۶) مسجد عثمان (۷) مسجد طیبہ کے ٹی (۸) مسجد قریش (۹) اقرار سینٹر کلیرلیک (۱۰) فیضان مدینہ

پھر صلاۃ و سلام اور مفتی محمد قمرالحسن کی دعا پر رات کو گیارہ بجے اس کا اختتام ہوا۔

پھر اعلان کیا گیا کہ اگلا یعنی دوسرا سمینار ان شاء اللہ تعالیٰ ڈیلاس (Dallas) میں ۶، ستمبر ۲۰۱۴ء کو منعقد ہوگا۔

از: محمد نعیم حبیبی، ہیوسٹن امریکہ